13تا19نومبر2008ء/14تا20ذوالقعدہ1429ھ

کردار کا بحران

آندھی زور سے چلتی ہے، اور آپ دیکھتے ہیں کہ سڑک کے کنارے جو بڑے بڑے تناور درخت لگے ہوئے تھے، ان میں سے کتنے گر جاتے ہیں، کتنے بالکل جڑ بنیاد سے اکھڑ جاتے ہیں، درآنحالیکہ چمن کے بہت سے چھوٹے چھوٹے پودے، چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں، گھاس کی ننھی ننھی پتیاں، اپنی جگہ پر قائم رہ جاتی ہیں، اور بعض اوقات کچھ بھی نقصان نہیں اٹھاتیں!

آج آپ کی قوم بھی تنزل کے تیز و تند طوفان میں مبتلا ہے۔ آج اس کے سر پر بھی ادبار کی زبردست آندھیاں چل رہی ہیں۔ پھر اگر آج آپ اپنے مشہور قومی کارکنوں کو گرتے اور اجڑتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، ان کی ہستیوں کو اس اخلاقی آندھی میں مٹتے، اور ان کی زندگیوں کو جڑ سے اکھڑتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، تو اس پر آپ کو حیرت کیوں ہے؟ آج آپ کی ملّت ایک سے ایک بڑھ کر مہلک اخلاقی وباؤں کا شکار ہو رہی ہے۔ پھر اگر آج آپ اپنے مشہور رہنماؤں اور ممتاز رہبروں کو رشک و حسد، طمع و خیانت، نفاق و جدال کی وباؤں کی نذر ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، تو اسے قانون قدرت کے، عام سنتِ الٰہی کے خلاف کیوں سمجھتے ہیں؟

طاعون جب پھیلتا ہے، تو صرف بوڑھوں اور کمزوروں ہی کو نہیں چُن لیتا، ضعیف و نوجوان، توانا و ناتواں سب پر حملہ آور ہوتا ہے۔ آج اپنی بداعمالی کی پاداش میں مسلمانوں پر بھی ذلت و رسوائی، ناکامی و نامرادی، زوال و ادبار، پستی و درماندگی کا طاعون مسلط کر دیا گیا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی

سبق پھر پڑھ......
زلزلے کیوں آتے ہیں؟
اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو!
انتہا پسندی کے اسباب
تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کی روداد
علامہ اقبال اور عربی زبان
عافیت

الھدیٰ (347)

سورۃ الاعراف

(آیات:21تا25)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾﴾

’’اور (شیطان نے) اُن سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکہ دے کر اُن کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب اُنہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو اُن کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اُوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔ تب اُن کے پروردگار نے اُن کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا اعلم کھلا دشمن ہے۔ دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ (اللہ نے) فرمایا (تم سب بہشت سے) اُتر جاؤ۔ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔ (یعنی) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہوگا، اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔‘‘

شیطان نے قسمیں کھا کھا کر حضرت آدمؑ اور حوا کو یقین دلایا کہ میں آپ کے ساتھ مخلص ہوں اور جو بات میں کہہ رہا ہوں وہ بالکل صحیح ہے، چنانچہ اس نے دھوکہ دے کر اُن دونوں کو ممنوعہ درخت کا پھل کھانے پر مائل کر ہی لیا۔ تو جب انہوں نے اس درخت کا پھل چکھ لیا تو اُسی وقت اُن کی شرمگاہیں اُن پر ظاہر ہو گئیں۔ اب وہ درخت کے پتوں کو گانٹھ کر اپنی ستر پوشی کرنے لگے۔ اس وقت ان کے رب نے انہیں آواز دی، میں نے تم دونوں کو اس درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا۔ اور میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا بڑا کھلا دشمن ہے۔ انہیں سخت ندامت ہوئی اور کہنے لگے: اے رب ہمارے! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا (ہم اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہیں) اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرما دیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم تو تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

یہاں ایک بات واضح ہو کہ عام طور پر مشہور ہے کہ شیطان نے ابتداءً اماں حوا کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ اُن کی وجہ سے پھر حضرت آدمؑ سے بھی غلطی ہوئی۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بلکہ عیسائی روایات کے زیر اثر مشہور ہو گئی ہے۔ غور کیجیے، یہاں بار بار تثنیہ کا صیغہ آ رہا ہے، جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ پھل کھانے کا معاملہ آغاز سے ہی اور بیک وقت دونوں کا تھا نہ کہ اماں حوا کا۔ اصل میں عیسائیوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ عورت فی نفسہٖ برائی کی مظہر ہے۔ حوا کو وہ Eve کہتے ہیں اور Eve ہی سے Evil بنا، جس کا معنی ’برائی‘ ہے۔ اسی لیے اُن کے ہاں عورت سے دور رہنا، شادی نہ کرنا اور رہبانیت کی زندگی گزارنا روحانی زندگی کے لیے شرط قرار پایا۔ قرآن میں کسی جگہ یہ تصور نہیں پایا جاتا، بلکہ وہ یہ واضح کرتا ہے کہ شیطان نے دونوں کو ورغلایا، اُس کے کہنے پر دونوں نے پھل کھایا، اور دونوں نے اللہ تعالیٰ سے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے معافی مانگی۔ ایک اور بات یہاں یاد رکھے کہ سورۃ البقرہ میں یہ الفاظ آئے تھے ’’فتلقیٰ آدم من ربہ کلمت فتاب الیہ‘‘ پس آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی۔ یعنی جب آدمؑ کے دل میں پشیمانی کے جذبات پیدا ہوئے تو دعا کے الفاظ خود اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھا دیے اور یہ وہی الفاظ ہیں جو یہاں آئے ھیں: ’’رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○‘‘

اللہ نے فرمایا کہ اب یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ روز اوّل سے شیطان اور اولادِ آدم کی عداوت چلی آ رہی ہے اور یہ بڑی شدید اور مستقل دشمنی ہے۔ اس کے علاوہ انسانوں کے مابین بھی دشمنیاں اور عداوتیں چلتی ہیں۔ اور تمہارے لیے ایک مدت تک زمین میں ٹھکانہ ہے اور ضرورت کی چیزیں بھی تمہیں فراہم کر دی گئی ہیں۔ یعنی نہ تمہاری یہ زندگی ابدی ہے اور نہ یہ سامان ہمیشہ رہے گا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ اس زمین پر ہی تم زندہ رہو گے اور مر کر اسی کے اندر دفن ہو گے اور پھر اسی میں سے تمہیں نکالا جائے گا یعنی روزِ محشر تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مختصر مگر وزنی عمل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((كَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ، خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ، ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ)) (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو بہت پسند ہیں، یہ زبان پر ہلکے پھلکے ہیں، (روزِ جزا و سزا) اعمال کے ترازو میں بھاری اور وزنی ہوں گے، وہ کیا ہیں: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ))‘‘

تا خلافت کی بنا، دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد	13 تا 19 نومبر 2008ء	شمارہ
17	14 تا 20 ذوالقعدہ 1429ھ	44

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد **طابع**: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 10 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرون ملک......300 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
”مکتبہ خدام القرآن“ کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

”ادارہ“ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

”کتوں اور کالوں کا داخلہ ممنوع ہے“ جس ملک میں جگہ جگہ کلبوں اور ریستورانوں پر یہ کتبے آویزاں تھے اور بعض جگہوں پر ابھی تک آویزاں ہیں، اِس ملک کا سربراہ ایک کالا بن گیا ہے اور ایسا نہیں کہ یہ اقتدار کسی جنگ کے نتیجہ میں یا چور دروازے سے داخل ہو کر حاصل کیا گیا بلکہ عوامی عدالت میں پیش ہو کر بذریعہ ووٹ مینڈیٹ حاصل کیا گیا ہے۔ اکیسویں صدی کا ابھی پہلا عشرہ چل رہا ہے، لہٰذا یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ صدی کی اہم ترین خبر ہوگی، لیکن یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ صدی کی اہم ترین خبروں میں سے ایک خبر ہوگی۔ اکیسویں صدی کا آغاز امریکہ نے مسلمان دنیا کو اپنا ہدف بنا کر کیا تھا اور آٹھ سال میں مختلف کارروائیوں سے امتِ مسلمہ کے بچے بچے کو باور کروا دیا کہ امریکہ ہمارا بدترین دشمن ہے۔ فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلیوں کی وحشیانہ بربریت ہو یا کشمیریوں کا ہندو قابض افواج کے ہاتھوں ہلاک ہونا ہو، اِس درندگی میں امریکی پشت پناہی کسی ثبوت کی محتاج نہیں۔ عراق اور افغانستان میں خود امریکی فوج مسلمان کے خون سے ہاتھ رنگ رہی ہے۔ لہٰذا اِس حقیقت کا اعتراف کر لینے میں کوئی حرج نہیں کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والے شخص کے دل میں جس تناسب سے ایمان ہے، اسی قدر اُس کے دل میں امریکہ مخالف جذبات ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اِن جذبات کے اظہار کے طریقے مختلف ہیں۔ ندائے خلافت کا ہر قاری بخوبی جانتا ہے کہ ہم اپنے امریکہ مخالف جذبات کا اظہار کس شدت سے کرتے چلے آ رہے ہیں لیکن ہمارے آقا اور اللہ کے حبیب حضور اکرم ﷺ کا حکم ہے کہ بات حق کی کرو چاہے تمہارے بہترین دوست کے خلاف جائے یا تمہارے بدترین دشمن کے حق میں ہو۔ اِس حکم کو بجا لاتے ہوئے اور give the devil his due کے اصول کے تحت ہم علی الاعلان کہیں گے کہ امریکیوں نے ثابت کیا ہے کہ وہ اُس نسلی امتیاز کو دفن کر چکے ہیں اور انہوں نے نسلی امتیاز کا دھبہ اپنے دامن سے دھو دیا ہے۔ اس سے وہ امریکہ جو معاشی سے زیادہ اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار تھا، اُس کے اخلاقی زوال میں ٹھہراؤ پیدا ہوگا، دنیا میں اُس کا امیج بہتر ہوگا۔

اب آئیے، اُس بحث کی طرف کہ باراک حسین اوباما امتِ مسلمہ خصوصاً پاکستان کے لئے اچھا صدر ثابت ہوگا یا بُرا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج دنیا کے ہر ملک میں خارجہ امور پر اسٹیبلشمنٹ حاوی ہوتی ہے، البتہ ہر ملک کی اسٹیبلشمنٹ کے اجزاء مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً پاکستان میں یہ صرف سول اور فوجی بیورو کریسی پر مشتمل ہوتی ہے جو سیاست دانوں کے وزن کو حالات کے مطابق قبول یا رد کرتی رہتی ہے۔ اس اسٹیبلشمنٹ کی مرضی کے بغیر پاکستان میں خارجہ امور کے حوالہ سے سٹیئرنگ موڑا نہیں جاسکتا۔ امریکہ کی اسٹیبلشمنٹ کے اجزاء میں اہم ترین حیثیت تھنک ٹینکس کی ہے۔ خود کانگرس اور سینٹ کے اراکین کو مضبوط پوزیشن حاصل ہے اور پینٹا گون کے جرنیل بھی اِس اسٹیبلشمنٹ کے اہم جز ہیں۔ پھر وائٹ ہاؤس کا سینئر سٹاف جو صدر امریکہ کے حقیقی ذاتی مشیر کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ بھی اسٹیبلشمنٹ کا ایک اہم جزو ہے۔ اِن اجزاء کو مجتمع کر کے امریکہ کی اسٹیبلشمنٹ وجود میں آتی ہے۔ اور خارجہ امور کے سٹیئرنگ پر اِس کی مضبوط گرپ ہوتی ہے۔ ہماری رائے میں اِس اسٹیبلشمنٹ کے تمام اجزاء یہودیوں کے زیر اثر ہیں۔ یہ اجزاء اسٹیبلشمنٹ کے جال کی لڑیوں کے مانند ہیں۔ صدر امریکہ خود بھی اِس جال کی ایک لڑی ہے۔ مضبوط صدر یعنی بھرپور سیاسی بیک گراؤنڈ رکھنے والا، دولت کے حوالہ سے باوسائل، سینٹ اور کانگرس کے ارکان سے ذاتی تعلقات رکھنے والا صدر اپنا رول زوردار انداز میں ادا کرسکتا ہے لیکن اِس جال کو توڑ کر باہر نہیں نکل سکتا۔ بہترین مثال رچرڈ نکسن کی ہے۔ اُسے امریکی one of the best presidents of U.S.A کہتے تھے اور کہتے ہیں، لیکن جب اُس نے اس جال کو توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کی تو نتیجہ یہ نکلا کہ روتا ہوا ذلیل و خوار ہو کر وائٹ ہاؤس سے باہر نکلا بلکہ اُسے وائٹ ہاؤس سے اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا۔ اِس ترازو میں اوباما کو تول لیں، وہ کالا ہے چاہے کم تعداد میں سہی لیکن بہت سے (باقی صفحہ نمبر 19 پر)

محبت

[بالِ جبریل]

شہیدِ محبت نہ کافر، نہ غازی! محبت کی رسمیں نہ ترکی، نہ تازی!
وہ کچھ اور شے ہے، محبت نہیں ہے سکھاتی ہے جو غزنوی کو ایازی!
یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی!
نہ محتاجِ سلطاں، نہ مرعوبِ سلطاں محبت ہے آزادی و بے نیازی!
مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے، وہ آئینہ سازی!

اِس مختصر مگر دلکش نظم میں اقبال نے محبت کی خصوصیات بہت سلیس اور عام فہم انداز میں بیان کی ہیں: پہلی خصوصیت یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی محبت میں فنا ہو جاتا ہے، وہ ہر قسم کے مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو جاتا ہے، اس لیے وہ کافر اور مسلم دونوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتا ہے۔ محبت کسی ملک یا قوم سے مخصوص نہیں ہے۔ یہ ایک عالمگیر اور آفاقی جذبہ ہے، جو ہر قسم کی نسلی، قومی، لسانی، وطنی اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ محبت مادیات یا فانی اشیاء سے متعلق نہیں ہوتی۔ اگر کوئی انسان کسی فانی سے محبت کرے تو وہ محبت نہیں ہے، بلکہ نفس پرستی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ محبت صرف اُس ہستی سے کرنی چاہیے، جسے کبھی موت نہ آئے، اور وہ ذات صرف اللہ کی ہے۔ غزنوی سے مراد سلطان محمود غزنوی ہے جو اپنے غلام ایاز سے بہت محبت کرتا تھا۔

محبت کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اُسی کی بدولت (فلسفہ اور سائنس) بنی آدم کے حق میں مفید ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جو قوم اس نعمتِ کبریٰ سے محروم ہے، وہ اپنے علوم و فنون سے بنی آدم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، بلکہ اُن کو سراسر عیاری اور فریب کاری کے لیے استعمال کرے گی، جیسا کہ اقوام مغرب کا موجودہ طرزِ عمل اِس بات پر شاہد ہے۔

محبت کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ عاشق نہ تو کسی دنیاوی بادشاہ کا دست نگر ہوتا ہے اور نہ اُس سے ڈرتا ہے۔ یعنی محبت انسان کو آزادی (حریت) اور بے نیازی کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے۔

1۔ محبت کا جذبہ عملاً تمام حدود سے متجاوز نظر آتا ہے۔ محبت، قوم، ملک، نسل، فرقہ بندی اور دوسرے عوامل سے بے نیاز رہی ہے۔ اس جذبے کی کوئی روایت اور رسم پاسداری نہیں کرتی ہے، بلکہ یہ دل کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ محبت کے عمل میں قربانی دینے والا نہ تو شہید ہوتا ہے، اور نہ اُسے کافر اور غازی جیسے خطابات سے نوازا جا سکتا ہے اور نہ کسی نسلی بنیاد پر اُس کی شناخت ممکن ہے۔

2۔ اِس شعر میں ایک اہم راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ محمود غزنوی اور اُس کے پسندیدہ غلام ایاز کے مابین جو رشتہ تھا، وہ کچھ اور تو ہو سکتا ہے، اُسے جذبۂ محبت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

3۔ اس شعر میں یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ علم اور حکمت میں اگر محبت کا جوہر شامل نہ ہو تو انہیں فریب کاری اور عیاری کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مراد یہ ہے کہ علم و حکمت عملاً انسانی فلاح و ترقی کے ساتھ شعور و دانش سے ہم آہنگ ہیں۔ تاہم یہ اُسی وقت فروغ پا سکتے ہیں کہ یہ محبت کے جوہر سے آراستہ ہوں۔ اس کے بغیر علم و حکمت بے معنی شے ہیں۔

4۔ محبت کا جذبہ نہ کسی بادشاہ کا محتاج ہوتا ہے نہ ہی اس کا پابند۔ اس کے برعکس محبت تو تمام علائق دنیوی سے آزادی اور بے نیازی کا نام ہے۔

5۔ میرا فقر اور خلقِ خدا سے محبت کا جذبہ عملاً سکندرِ اعظم جیسے پُرشکوہ بادشاہ کی عظمت اور جاہ و جلال سے بھی بہتر اور بلند تر ہے کہ اول الذکر میں مخلوق کی بہتری اور اس کی تربیت کا جذبہ مضمر ہے اور ثانی الذکر بناوٹ اور تصنع کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہاں اقبال نے سکندر اور آئینہ سازی کے ضمن میں جو اشارے کیے ہیں، ان کا پس منظر وہ تاریخی آئینہ ہے جو سکندر نے اسکندریہ کے مقام پر سمندر میں ایستادہ مینار پر نصب کرایا تھا کہ رات کی تاریکی میں یہاں سے گزرنے والے جہازوں کی رہنمائی ہو سکے۔

زلزلے کیوں آتے ہیں؟

قرآن وسنت کی روشنی میں ایک فکر انگیز جائزہ

مسجد دارالسلام باغ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! چند دن پہلے صوبہ بلوچستان میں خوفناک زلزلہ آیا ہے، جس میں بہت بڑی تباہی آئی ہے۔ اِس سے پہلے 2005ء میں بھی کشمیر، بالاکوٹ اور ہزارہ میں زلزلہ آیا تھا جو پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا زلزلہ تھا، اور جس میں لاکھوں افراد جاں بحق ہو گئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ یہ زلزلے کیوں آتے ہیں؟ کیا اِن کا تعلق ہمارے اعمال اور گناہوں سے ہے یا یہ ارضیاتی تبدیلیوں کا نتیجہ ہیں، جو ایک خودکار نظام کے تحت وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ بالفاظ دیگر زلزلے، حوادث، قحط، خشک سالی، سیلاب وغیرہ جنہیں آفات ارضی و سماوی کہا جاتا ہے، انسانی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں یا ان کا لوگوں کے اعمال سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اِس سوال کے جواب کے حوالے سے تین نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔

ایک خیال یہ ہے کہ آفات ارضی وسماوی کا انسان کی بداعمالیوں اور گناہوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ یہ cause & effect کے قدرتی نظام کے تحت آتی ہیں۔ اِن آفات کے آنے میں کسی بالاتر قوت کا عمل دخل نہیں، بلکہ یہ سب کچھ خودکار نظام کے تحت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کائنات میں کوئی برتر قوت ہے ہی نہیں کہ اِن آفات کے آنے میں جس کا عمل دخل تسلیم کیا جائے۔ یہ نظریہ کفر، الحاد اور دہریت ہے۔ قرآن اس نظریہ کی یوں وضاحت کرتا ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (الجاثیہ:24)

"اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے۔"

متذکرہ باطل خیال کے برعکس اسلام کا عقیدہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، وہ اللہ کے اذن اور اُس کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ ارضی وسماوی آفات ہوں، جیسے سیلاب، زلزلے، قحط، خشک سالی یا انسانی جان کو پہنچنے والی کوئی مصیبت ہو، جیسے بیماری، زخم، حادثہ یا مالی نقصان وغیرہ، یہ سب اللہ کے حکم سے آتی ہیں۔ یہ سب اللہ کے علم کامل میں ہوتی ہیں، لوح محفوظ میں درج ہوتی ہیں۔ اور اللہ جب چاہتا ہے، وقوع پذیر ہو جاتی ہیں۔

سورۃ الحدید میں فرمایا:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ (آیت:22)

"کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔"

> ارضی وسماوی آفات اور زلزلے انسان کے اجتماعی جرائم کی سزا ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے جرائم کی کسی قدر سزا دنیا میں اِس لیے دیتا ہے تاکہ وہ ہوش میں آجائیں

یہ عقیدہ ہم مسلمانوں کا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں ایک بڑا طبقہ جو فکر مغرب سے متاثر اور مرعوب ہے، اس کا خیال یہ ہے کہ اگرچہ زلزلے، سیلاب اور دوسری ارضی و سماوی آفات اللہ کے اذن سے آتی ہیں، مگر اِن کو انسان کی بداعمالیوں سے جوڑنا درست نہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اتفاقی معاملہ ہے اور بس!.......... یہ نقطہ نظر درست نہیں۔ صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ ارضی وسماوی آفات اور زلزلے انسان کے اجتماعی جرائم کی سزا ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے جرائم کی کسی قدر سزا دنیا میں اِس لیے دیتا ہے، تاکہ وہ ہوش میں آجائیں۔ قرآن مجید سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی قوم کی طرف نبی اور رسول آئے، اور قوم نے نبی کی دعوت سے اعراض کیا تو اللہ نے انہیں تنبیہ کرنے کے لیے مختلف چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجے۔ یہ اللہ کی سنت ہے۔

سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ﴾

"اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے۔ پھر (ان کی نافرمانیوں کے سبب) ہم انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے تاکہ عاجزی کریں۔"

آگے فرمایا:

﴿فَلَوْلَآ اِذْ جَاۗءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

"تو جب ان پر ہمارا عذاب آتا رہا کیوں نہیں عاجزی کرتے رہے۔ مگر ان کے دل ہی سخت ہو گئے تھے اور جو کام وہ کرتے تھے شیطان ان کو (ان کی نظروں میں) آراستہ کر دکھاتا تھا۔"

اور جب قوم پیغمبر کی نصیحت کو بھلا دیتی، تو اللہ تعالیٰ آزمائش کے طور پر اُن پر وسعت وکشائش کر دیتا، ہر طرح کی نعمتیں دیتا، اور وہ اُن میں مگن ہو کر اور زیادہ غافل ہو جاتے، تو پھر اللہ کی پکڑ آتی، اور اُن ظالموں پر بڑا عذاب بھیجا جاتا اور اُن کی جڑ کاٹ دی جاتی۔ فرمایا:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

"پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی،

فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں، خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اُس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔ غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور سب تعریف خدائے رب العالمین ہی کو سزاوار ہے۔"

یہی مضمون سورۃ الاعراف میں بھی آیا۔ فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ﴾

"اور ہم نے کسی شہر میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو (جو ایمان نہ لائے) دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی اور زاری کریں۔"

لیکن جب چھوٹے عذابات کے باوجود وہ خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوئے، اور اپنی مجرمانہ روش سے باز نہ آئے تو اللہ نے بطور آزمائش ان کے لیے آسانیاں کر دیں، مال و دولت کی فراوانی کر دی، اور اُن کی حق ناشناسی اور طغیانی و سرکشی جب حد سے زیادہ ہو گئی تو پھر اُن پر سخت عذاب مسلط کر دیا۔

﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ (الاعراف)

"پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا، یہاں تک کہ (مال و اولاد میں) زیادہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ اسی طرح کا رنج و راحت ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتا رہا ہے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ (اپنے حال میں) بے خبر تھے۔"

یاد رہے کہ اللہ کی یہ سنت رسولِ وقت کی مخالفت اور اُس کی دعوت کو ٹھکرا دینے والی قوموں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر دور میں انسان کی اجتماعی بداعمالیوں کے لیے ہے۔ چنانچہ سورۃ الروم میں فرمایا:

﴿ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَھُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ (آیت:41)

"خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے۔ عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔"

یعنی بحر و بر میں جو بھی فساد برپا ہوتا ہے، یہ لوگوں کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے دارالجزاء تو آخرت کو بنایا ہے، دنیا میں تو انسان کو چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ جو چاہے کرے، تاہم اللہ گناہوں کی کچھ سزا دنیا میں اس لیے دیتا ہے، تاکہ لوگ جاگ جائیں، شیطان کے راستے کو چھوڑ کر رحمٰن کے راستے کو اختیار کر لیں۔

اللہ کے قانونِ عذاب کی مزید وضاحت سورۃ السجدہ میں آئی ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَنُذِیْقَنَّھُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾

"اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا عذابِ دنیا کا بھی مزا چکھائیں گے۔ شاید (ہماری طرف) لوٹ آئیں۔"

آگے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْھَا ط اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾

"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو اس کے پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ پھیر لے۔ ہم گناہگاروں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں۔"

اِن آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی مستقل سنت ہے کہ قوموں کو جگانے کے لیے اُن پر چھوٹے چھوٹے عذابات بھیجتا ہے۔ نائن الیون کے بعد کفر کی عالمی طاقتوں نے اسلام اور ہم مسلمانوں کے خلاف جو یلغار کی ہے، اِس سے اُن کا مقصد اسلام اور اسلامی تہذیب کا خاتمہ ہے، مگر اللہ اِس کے ذریعے ہمیں جگانا چاہتا ہے، ہوش میں لانا چاہتا ہے۔ الحمدللہ، اِس واقعہ کے بعد مسلمانوں میں بیداری آئی ہے۔ نائن الیون سے پہلے ہمارے دانشور طبقے میں عام خیال یہ تھا کہ اہلِ مغرب اصولوں پر چلنے والے لوگ ہیں، وہ ہمارے بدخواہ نہیں،

پریس ریلیز — **8 اکتوبر 2008ء**

باراک اوباما کے صدر بننے سے مسلمانوں کے خلاف امریکی عزائم تبدیل نہیں ہوں گے۔ ہمیں اپنی مشکلات سے نکلنے کے لیے اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط بنانا ہوگا

حافظ عاکف سعید

باراک اوباما کے صدر بننے سے پوری دنیا میں امریکی خارجہ پالیسی کے حوالے سے خوش آئند تبدیلیوں کی توقعات کی جارہی ہیں، لیکن ہمیں اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ پاکستان کے بارے میں امریکی پالیسی میں کسی بڑی تبدیلی کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہے۔ لہٰذا پاکستانی قوم کسی خوش فہمی کا شکار نہ ہو۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ امریکی صدر کے بدلنے سے مسلمانوں کے خلاف امریکی عزائم اس لیے تبدیل نہیں ہوں گے کہ امریکہ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے اور یہود کا مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایجنڈا بہت واضح ہے۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ ماضی قریب میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے بارک اوباما کے بیانات بش کے مقابلے میں کہیں زیادہ سخت رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب تک ہم بحیثیت قوم اپنا معاملہ اپنے رب کے ساتھ درست نہیں کرتے اور اللہ کی بندگی اور وفاداری کے عملی تقاضوں کو پورا نہیں کرتے ہماری مشکلات کم نہیں ہوں گی۔ اگر ہم اپنے اعمال کی اصلاح، پاکستان میں قرآن و سنت کی مکمل بالادستی یعنی نظامِ خلافت کے قیام کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اللہ سے رحمت و نصرت کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ شر سے بھی خیر برآمد کرنے پر قادر ہیں۔ چنانچہ کوئی بعید نہیں کہ اوباما کا صدر بننا بالآخر عالمِ اسلام اور ہمارے لیے خیر کا موجب بن جائے۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی، پاکستان)

خیر خواہ ہیں، ہم خواہ مخواہ اُن کو الزام دھر دیتے ہیں۔ لیکن اب یہ بات بہت سے لوگوں پر آشکارا ہو گئی ہے کہ وہ ہمارے کھلے دشمن ہیں، اور ہر جگہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا چاہتے ہیں۔

زلزلہ اور اللہ کے عذابات کے حوالے سے ایک بہت اہم روایت ترمذی شریف میں آئی ہے، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آفات ارضی و سماوی ہماری شامتِ اعمال ہوتی ہیں۔ اِس روایت میں بعض ایسے جرائم کا تذکرہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں میں پیدا ہو گئے تو اُن پر سرخ آندھیوں اور زلزلوں کا عذاب آئے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو اس کے پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ پھیر لے۔ ہم گناہگاروں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں۔“ (القرآن)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جب غنیمت کو ذاتی دولت، اور امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے، اور علم حاصل کیا جانے لگے دین کے علاوہ دوسری (دنیوی) اغراض کے لیے، اور لوگ اپنی بیوی کی فرمانبرداری کریں اور اپنی ماں کی نافرمانی کریں، اور اپنے دوستوں کو گلے لگائیں اور باپ کو دور کریں، مسجدوں میں شور ہو اور قبیلہ کی سرداری ان میں کا فاسق کرے، اور قوم کا لیڈر ایسا شخص ہو جو ان میں سب سے کمینہ ہو، اور جب کسی آدمی کا اکرام اس کے شر کے ڈر سے کیا جائے اور (پیشہ ور) گانے والیاں اور باجے گاجے عام ہوں، اور شرابیں پی جائیں، اور امت کے بعد والے اس کے اگلوں پر لعنت کریں ـــ تو اس وقت انتظار کرو، سرخ آندھیوں کا، اور زلزلوں کا، اور زمین میں دھنسائے جانے اور صورتیں مسخ کیے جانے کا اور پتھر برسنے کا اور (ان کے علاوہ اس طرح کی) اور نشانیوں کا جو پے در پے اس طرح آئیں گی جس طرح ایک ہار ہو، اس کا دھاگہ کاٹ دیا گیا ہو تو پے در پے اس کے دانے گریں۔“

(رواہ الترمذی)

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے قیامت سے پہلے امت میں پیدا ہونے والی پندرہ خرابیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی اور دوسری یہ کہ مال فے میں حکمران ذاتی دولت کی طرف تصرف کرنے لگیں اور امانت کو مال غنیمت سمجھ لیا جائے۔ یعنی بیت المال یا سرکاری خزانہ ذاتی دولت سمجھا جانے لگے۔ حلوائی کی دوکان پر نانا جی کی فاتحہ والا معاملہ ہو۔ پلاٹوں کی تقسیم ہو رہی ہیں۔ بڑے بڑے مگرمچھوں کے قرضے معاف کیے جا رہے ہیں۔ قومی دولت کو بے دریغ لٹایا جا رہا ہو، تو یہ عذاب خداوندی کو دعوت دینے والی بات ہے۔ اگر ہم اپنا جائزہ لیں، تو ہمارے ہاں بھی کچھ ہو رہا ہے ـــ تیسری بات یہ کہ لوگ خوش دلی سے زکوٰۃ ادا نہ کریں۔ یہ چیز بھی ہمارے ہاں ہر سطح پر ہو رہی ہے۔ اِس کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ رمضان سے پہلے لوگ کس قدر سرعت کے ساتھ بنکوں سے اپنا سرمایہ نکال رہے ہوتے ہیں، تاکہ زکوٰۃ سے بچ سکیں۔ میں زکوٰۃ کے موجودہ نظام کی تائید نہیں کر رہا، بلکہ فریضہ زکوٰۃ سے فراریت کے رجحان کی نشاندہی کر رہا ہوں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں بہت سے لوگ زکوٰۃ دیتے ہی نہیں، حالانکہ اللہ نے اِسے صاحب استطاعت پر فرض کیا ہے۔ ـــ چوتھی بات یہ ہے کہ علم دین جو دین کے لیے اور اپنی آخرت کے لیے حاصل کیا جانا چاہیے، وہ غیر دینی اغراض یعنی دنیوی منافع اور مقاصد کے لیے حاصل کیا جائے۔ ـــ پانچویں اور چھٹی یہ کہ لوگ اپنی بیویوں کی فرماں برداری اور ناز برداری کریں، اور ماؤں کے ساتھ اُن کا رویہ نافرمانی اور ایذا رسانی کا ہو، حالانکہ آدمی پر لوگوں میں سے سب سے بڑھ کر حق اُس کی ماں کا ہے۔ حدیث کے مطابق وہی اُس کے حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔ ـــ ساتویں اور آٹھویں یہ کہ آدمی اپنے دوستوں کو گلے لگائے، اُن سے حسن سلوک کرے اور اپنے باپ کو دھتکار دے، اس کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ جب سے نئی تہذیب آئی ہے، اور جیسے جیسے وہ پروان چڑھ رہی ہے، والدین کا احترام، باپ کی قدر و منزلت اور اُس کے ساتھ حسن سلوک میں کمی واقع ہوئی ہے۔ اِس تہذیب نے نئی نسل کو یہ پٹی پڑھائی ہے کہ والدیا بڑے بزرگ کچھ نہیں جانتے، یہ پرانے وقتوں کے لوگ ہیں، اُن کی طرف متوجہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ـــ نویں بات یہ کہ مسجدیں جو اللہ کے گھر ہیں، اُن کا ادب واحترام نہ رہے بلکہ اُن میں شور ہوں، آوازیں بلند ہوں۔ اُن کا تقدس پامال کیا جانے لگے ـــ دسویں بات یہ ہے کہ قوم کے ذمہ دار وہ لوگ ہوں جو اُن میں سے سب سے زیادہ کمینے اور نافرمان ہوں۔ ذرا دیکھئے، اِس وقت پاکستانی قوم پر کون لوگ مسلط ہے۔ ہماری قیادت کن ہاتھوں میں ہے۔ یہ قوم کے ساتھ کتنے مخلص ہیں! ـــ گیارھویں بات یہ کہ شریر آدمی کی شیطنت اور شرارت کے خوف سے اُس کا اکرام واعزاز کیا جائے۔ عزت اِس لیے کی جائے کہ اپنی عزت بچ سکے، اپنی جاں محفوظ رہ سکے ـــ بارھویں اور تیرھویں یہ کہ گانے بجانے والی عورتوں اور گانے بجانے کی سامان کی کثرت ہو۔ آج اِس قماش کی عورتیں اور سامان بکثرت ہے۔ ہر جگہ ڈش، کیبل، سی ڈیز، فحاشی و عریانی کو عام کر رہے ہیں، اور طوفان بدتمیزی میں پوری قوم غرق ہے، مگر حالت یہ ہے کہ احساس نام کی کوئی شے ہی باقی نہیں رہی ـــ چودھویں بات یہ کہ شرابیں خوب پی جائیں۔ یعنی شراب نوشی جسے اللہ نے حرام کیا ہے، اُس کی کثرت ہو جائے ـــ پندرھویں بات یہ ہے کہ امت میں بعد میں آنے والے لوگ امت کے پہلے طبقہ کو اپنی لعنت و بدگوئی کا نشانہ بنائیں ـــ آخر میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب امت میں یہ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو انتظار کرو کہ اللہ کا قہر نازل ہوگا، سرخ آندھیاں اور شدید زلزلے آئیں گے اور آدمیوں کے زمین میں دھنس جانے، اور اُن کی صورتوں کے مسخ ہو جانے اور اوپر سے پتھروں کے برسنے جیسے واقعات پیش آئیں گے اور اُن کے علاوہ بھی خدائے قہار کے قہر و جلال کی نشانیاں جو اِس طرح لگاتار اور پے در پے ظاہر ہوں گی، جس طرح ہار کے دھاگے کے ٹوٹ جانے سے اُس کے دانے لگاتار گرتے ہیں۔

حضرات! میری آج کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے اجتماعی جرائم اور بداعمالیوں کی پاداش میں اُس پر چھوٹے چھوٹے عذابات مسلط کرتا ہے، تاکہ وہ ہوش میں آ جائے۔ کردار وعمل کے انحطاط کے نتیجے میں آفات ارضی و سماوی کبھی زلزلے کی صورت میں اور کبھی سرخ آندھیوں کی صورت میں اور کبھی کسی اور صوت میں نازل ہوتی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی اطاعت نصیب فرمائے، اور گناہ اور سرکشی سے بچائے۔ آمین

(جاری ہے)

[تلخیص: محبوب الحق عاجز]

اُٹھو میری دُنیا کے غریبوں کو جگادو

انجینئر طارق خورشید

پروفیسر نے گھر آ کر بیگم سے پوچھا کہ کیا پکا ہے؟ وہ جانے کس غصے میں تھی، بولی "خاک پکایا ہے"۔ "آہا یعنی گوشت پکا ہے" پروفیسر بولے۔ بیگم غصہ بھول کر پوچھنے لگی "کیا مطلب؟" ارے دیکھ، خاک کو اُلٹا کر کے پڑھو "کاخ"، یعنی "محل" بن گیا، اب محل کو اُلٹا کر کے پڑھو تو "لحم"، یعنی گوشت بن گیا، گویا گوشت پکا ہے۔

مجھے پروفیسر صاحب یوں یاد آئے کہ ہمارے حکومتی خاص عہدیداروں نے کچھ عرصے سے گندم کے حالیہ شدید بحران کو ختم کرنے کی ایک نئی صورت نکالی ہے کہ یک زبان ہو کر تواتر سے بیانات جاری کر رہے ہیں کہ گندم کے ذخائر تو موجود ہیں مگر ذخیرہ اندوز عناصر اور عوام نے ضرورت سے زائد گندم ذخیرہ کر کے مصنوعی بحران پیدا کر دیا ہے۔ سرکاری اطلاعات کے مطابق 30 لاکھ ٹن گندم کے ذخائر موجود ہیں (علاوہ ازیں 14 لاکھ ٹن کے 7 جہاز کراچی پورٹ قاسم پر مرکز اور صوبے کی Transportation کی لڑائی کی وجہ سے خراب ہو رہے ہیں)۔ ہمارے لیڈران نے درخواست کی ہے کہ عوام ضرورت سے زائد آٹا نہ خریدیں تو اس بحران پر قابو پایا جاسکتا ہے کیونکہ حکومت نے ذخیرہ اندوز عناصر سے سختی سے نمٹنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اسے کہتے ہیں آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔ اگر ہمارے نام نہاد قائدین کا خیال ہے کہ پرتکلف تقاریب کی چکا چوند میں الفاظ کے اِس ہیر پھیر اور اُلٹا سیدھا کر کے وہ اپنی قومی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں اور عوام کو "اگر روٹی نہیں تو ڈبل روٹی کھاؤ" کا دھوکہ دیا جاسکتا ہے تو یہ اُن کی خام خیالی ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ پچھلے دنوں خوراک اور غربت کا عالمی دن منایا گیا۔ WFP (ورلڈ فوڈ پروگرام) کے مطابق پاکستان میں 7 کروڑ 70 لاکھ افراد غذائی قلت کا شکار ہیں۔ اقوامِ متحدہ کی رپورٹ کے مطابق آج بھی 80 لاکھ افراد روزانہ بھوکے سوتے ہیں۔ 22 نومبر 2008ء کے ڈان کی اخباری اطلاع کے مطابق پاکستان دُنیا بھر میں بھوک کے حوالے سے پانچویں نمبر پر ہے۔ اِسی تصویر کا ایک دوسرا رُخ یہ بھی ہے کہ پنجاب کے وزیرِاعلیٰ شہباز شریف نے پورے رمضان میں 2 روپے کی روٹی اور 300 روپے آٹے کے تھیلا کی فراہمی یقینی بنائی اور اب جب عید کے بعد نواز لیگ کے اپنے ہی لوگوں (زیادہ تر مل اونرز ہی ہیں) کی وجہ سے مخالفت سامنے آئی تو اس کے علی الرغم تقریباً 3000 تندوروں پر 2 روپے روٹی کے لئے آٹے کی فراہمی یقینی بنا رکھی ہے۔ اگرچہ یہ ایک جزوی کوشش ہے لیکن اس میں بیانات کی بجائے عمل کی سچائی جھلکتی ہے۔ اگر حیدر ہوتی صاحب چاہیں تو صرف افغان بارڈر پر ہونے والی آٹا کی سمگلنگ روک کر اِس بحران کے خاتمے میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں یا پھر افغان حکومت سے باقاعدہ معاہدہ کر کے اُنہیں گندم دے سکتے ہیں، تاکہ ریونیو پیدا ہو اور عوام سکھ کا سانس لے سکیں۔

گندم کی تاریخ بہت پرانی ہے، ہمارے جدِامجد کو بھی گندم کھانے کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تھا اور شاید آج پاکستان کے جمہوریت پسند حکمران بھی عوام کو گندم کھانے کی وجہ سے اُن کے گھروں سے نکال رہے ہیں، بالخصوص صوبہ سرحد کے عوام تو حکمرانوں کی خصوصی عنایات کے مستحق بن چکے ہیں، شاید اس لیے کہ یہ لوگ زیادہ گندم کھاتے ہیں۔ (ہمارے سرحد میں کھائی جانے والی بھاری بھرکم مردانہ روٹی کا موازنہ ملک کے کسی بھی دوسرے حصے کی کاغذی نرم ونازک زنانہ چپاتی سے کیجئے تو حقیقت آپ پر خود بخود منکشف ہو جائے گی۔) اکثر جگہوں پر تو یہ غریب عوام "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق خود گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آ کر لاحاصل احتجاج کر رہے ہیں اور بقیہ عوام کالانعام کے لئے ہم نے اپنی بھرے پیٹ والی فوج کو انکل سام کی نگرانی میں دے دیا ہے۔ نتیجہ معلوم کہ دہشت گردی کے نام پر "ہماری جنگ" کے عنوان سے باجوڑ، خیبر، آدم خیل، وانا، وزیرستان وغیرہ سے بلاتخصیص کمزور بوڑھے، بزرگ شہری، جوان مرد اور خواتین اور معصوم بچے گھر بدر کیے جا رہے ہیں۔ پشاور میں جلوزئی، کچا گڑھی اور ریگی للمہ آج ایسے ہی بے خانماں لوگوں سے بھرا ہے جو ہمارے ہزاروں کلومیٹر کی سرحدوں کے بغیر تنخواہ مفت محافظ تھے۔ اپنے ہی ملک میں دربدر یہ تارکینِ وطن کھلے آسمان تلے دو وقت کی روٹی کو ترستے ہیں۔ زندگی کی بنیادی ضروریات اِن سے دُور ہیں۔ طرفہ تماشا تو یہ ہے کوئی بھی NGO اِن "دہشت گردوں" کی مدد نہیں کرتی اور اکثر مذہبی تنظیم بھی "دہشت گرد" قرار دینے کی "دہشت" سے بس اپنے اپنے دائرے ہی میں صرف اپنوں میں زندگی بانٹ رہی ہیں۔

میں دائروں میں بانٹتا پھر رہا تھا زندگی
اِک زاویے پہ ہاتھ سے پاکر پھسل گئی

پاکستان دُنیا بھر میں ایک زرعی ملک کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ پاکستان کے پاس بہترین زرعی زمین ہے۔ دُنیا کا بہترین نہری نظام ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے قدرت ہر سال ہمیں بارش کی شکل میں بے حساب پانی سے نوازتی ہے (یہ علیحدہ موضوع ہے کہ ہم نے آج تک اس پانی کو محفوظ کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی، ورنہ آج یہ بجلی کا بحران پیدا نہ ہوا ہوتا) ہمارے کاشتکار محدود وسائل کے باوجود سخت محنت کش ہیں لیکن WTO کی بدولت اُن کے لیے کھاد کا حصول جوئے شیر لانے کے مترادف بنا دیا گیا ہے۔ گویا اب تو ہمیں خوابِ غفلت سے جاگ ہی جانا چاہیے۔ اب تو ہمیں جان لینا چاہیے کہ یہ جنگ جو ہم لڑ رہے ہیں، ہماری جنگ نہیں ہے۔ یہ وہ پرائی آگ ہے جو ہمیں بھوک و افلاس دے گی، جو ہمیں باہم دست و گریباں کر دے گی، جو ہمارے ایٹمی دانت توڑ دے گی (خاکم بدہن) یہ عوام کس کسمپرسی میں ہیں کہ اُنہیں ایک طرف تو کھانے کو نہیں مل رہا تو دوسری جانب بڑھتے ہوئے 71% ٹیرف نے عوام کو گھیراؤ جلاؤ پر مجبور کر دیا ہے۔ تیسری جانب مہنگائی کے عفریت سے مجبور ہو کر بھوک سے بلکتے بچوں کو نہ دیکھنے کی خاطر غریب و مجبور ماں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتی ہے۔ اس صورتحال میں کسی مردِ درویش کی ایک صدی قبل کی انقلاب آفریں بازگشت آج پھر دعوتِ فکر دے رہی ہے۔

اُٹھو میری دُنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

وطن عزیز میں انتہا پسندی کے فروغ کے اسباب

محمد سمیع

وطن عزیز میں انتہا پسندی کے اسباب کے تجزیئے کے لئے ہمیں اپنی پوری تاریخ پر نظر ڈالنی پڑے گی۔ پاکستان کا قیام اور اُس کا عہد حاضر کی جدید اسلامی فلاحی ریاست بننا مفکر پاکستان علامہ اقبال کا خواب تھا، جسے ہم نے اپنے کرتوتوں کی بنا پر دیوانے کا خواب بنادیا ہے۔ بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے قوم کو اتحاد، تنظیم اور یقین محکم کا سلوگن دیا تھا۔ ان کی قیادت نے مسلمانان برصغیر کی ہر قسم کی تفریق کو ختم کرکے ایک متحد قوم بنادیا تھا، جس کی بے مثال جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان کا معجزانہ قیام عمل میں آیا۔ آج ہم ایک آزاد قوم ہیں، لیکن یہاں ہر قسم کی تفریق دوبارہ پیدا ہوگئی ہے۔ لسانی تفریق کے نتیجے میں ملک دولخت ہوا۔ علاقائی تفریق کے نتیجے میں بلوچستان میں شورش برپا ہے۔ مذہبی تفریق نے جدال وقتال کی صورت اختیار کرلی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم ایک قوت (امریکہ) کی غلامی کے جال سے نکل نہیں پارہے، جبکہ مسلمانان برصغیر نے بانئ پاکستان کی قیادت میں اس وقت کی قوت برطانیہ اور سازشی ذہنیت کی حامل ہندو قوم کے گٹھ جوڑ کے باوجود ہندوؤں کی بھارت ماتا کے ایک ٹکڑے کو پاکستان کی صورت میں آزاد کروالیا تھا۔

بیشک قیام پاکستان کی بنیادی وجہ غیر منقسم ہندوستان کی آزادی کی صورت میں ہندوؤں کے غلبہ کا خوف تھا، لیکن اس بنیاد پر مسلمانوں کا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر متحد ہونا محال تھا۔ ”پاکستان کا مطلب کیا: لاالٰہ الا اللہ“ کے نعرے نے تحریک پاکستان میں حقیقی روح پھونکی۔ یہ چند چھوکروں کا نعرہ نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو قائداعظم محمد علی جناح بقول کسے دس سال تک اسلام کی قوالی نہ کرتے، کیونکہ وہ آج کے رہنماؤں کی طرح نہ تھے کہ چند چھوکروں کے اس نعرے کا اثر قبول کرلیتے۔ اس نعرہ میں اتنی قوت تھی کہ ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے ،اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود کہ ان کا صوبہ پاکستان میں شامل نہیں ہوگا، مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دیا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کا ووٹ مسلم لیگ کے حق میں نہ پڑتا تو پاکستان کا قیام ممکن نہ تھا۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد ہم نے اس کے مقصد سے یوٹرن لے لیا۔ ہمارے اکثر قائدین نے اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے اس مقصد کو قیام پاکستان کے وجود کے جواز کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ مشیت ایزدی کے تحت قائداعظم محمد علی جناح قیام پاکستان کے ایک سال کے بعد ہی اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ ان کے دست راست نوابزادہ لیاقت علی خان کو چند سالوں کے اندر ہی ایک سازش کے تحت شہید کردیا گیا۔ اس کے بعد ”مسلم لیگ کے کھوٹے سکوں“ نے وہ ”کارہائے نمایاں“ انجام دیئے جن کے نتائج ہم آج تک بھگتنے پر مجبور ہیں۔ کاش! قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان کے فوراً بعد مسلم لیگ کو تحلیل کردیا ہوتا تو پاکستان کی تاریخ میں اس کا باعزت مقام ہوتا۔ کہتے ہیں کہ مولانا ظفر احمد انصاری کی طرف سے یہ تجویز پیش بھی کی گئی تھی مگر اسے پذیرائی حاصل نہ ہونے دی گئی۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔ بعد کے فوجی آمروں کے ساتھ مسلم لیگ کی خودسپردگی کا یہ عالم رہا ہے کہ اس پر ہمارے ایک قومی قائد نے یہ پھبتی کسی تھی کہ مسلم لیگ وہ بیوہ ہے جسے جو چاہتا اغوا کرکے اپنے گھر میں ڈال لیتا ہے۔ قائداعظم کی مسلم لیگ کنونشن، کونسل، فنکشنل، ”ن“، ضیاء، ”ق“ اور اب عوامی مسلم لیگ جیسے ناموں سے سامنے آتی رہی ہے۔ اور اُس کے مختلف دھڑے وقفہ وقفہ سے وجود میں آکر آپس میں اتحاد اتحاد کا کھیل کھیل کر عوام کو بیوقوف بناتے رہتے ہیں۔ آج بھی یہ کھیل جاری ہے۔

جب قیام پاکستان کے مقصد کو مسلم لیگ نے پس پشت ڈال دیا تو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے مطالبۂ دستور اسلامی کی تحریک چلائی۔ ان کی جماعت اسلامی پر قیام پاکستان کی مخالفت کا الزام عائد کیا گیا، تاکہ اُسے عوام کی نظروں سے گرایا جائے حالانکہ مولانا مودودی نے قیام پاکستان کی مخالفت نہیں کی تھی۔ البتہ ان کا موقف یہ تھا کہ تحریک پاکستان ایک قومی تحریک ہے جس کی کامیابی کی صورت میں ایک قومی ریاست تو وجود میں آسکتی ہے، اسلامی ریاست ہرگز وجود میں نہیں آسکتی۔ لیکن افسوس کہ وطن عزیز ایک قومی ریاست کا اعزاز بھی حاصل نہ کرسکا کیونکہ پاکستان میں قومیتیں تو بہت ہیں، ایک قوم کے وجود سے تاحال یہ محروم ہے۔ بہرحال جماعت اسلامی کی اس تحریک کے نتیجے میں قرارداد مقاصد کی منظوری ممکن ہوئی۔ اس قرارداد کی منظوری میں اسمبلی کے باہر جماعت اسلامی نے اور اسمبلی کے اندر مولانا شبیر احمد عثمانی نے اہم کردار ادا کیا۔ جب وقت کے قائدین نے اس قرارداد کی منظوری میں لیت ولعل سے کام لینا شروع کیا تو مولانا شبیر احمد عثمانی نے اسمبلی میں دھمکی دی کہ اگر حکومت اس قرارداد کی منظوری نہیں دیتی تو میں باہر جاکر عوام کو بتاتا ہوں کہ مسلم لیگ نے تمہارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ قرارداد تو منظور ہوگئی لیکن اسے محض دستور کے دیباچہ کی حیثیت دی گئی۔ قرارداد کی منظوری کے بعد یہ بھی سننے میں آیا کہ کسی لیڈر نے یہ کہا کہ آج ہمارے سر ساری دنیا کے سامنے جھک گئے ہیں۔

جب نفاذ اسلام کے مقصد کو یہ کہہ کر سبوتاژ کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہاں کون سا اسلام نافذ کیا جائے، دیوبندیوں، بریلویوں، اہل حدیث یا اہل تشیع کا، تو تمام مکاتب فکر کے چوٹی کے علماء نے 22 نکات پر مشتمل ایک متفقہ گائیڈ لائن حکومت کو فراہم کرکے اس سازش کو ناکام بنادیا۔ بعدازاں ایوب خان نے ملک کے نام سے لفظ ”اسلامی“ کو حذف کرکے اسے ایک سیکولر ریاست بنانے کی کوشش کی لیکن الحمدللہ وہ اپنے اس ناپاک ارادے کو عملی صورت دینے میں ناکام رہا۔ البتہ وہ اپنے دور حکومت میں فیملی لاء آرڈیننس نافذ کرنے میں کامیاب ہوگیا، جس کی بعض شقوں کو علماء نے غیر شرعی قرار دیا اور یہ عائلی قوانین آج بھی نافذ العمل ہیں۔ قاضی عبد الطیف اور مولانا سمیع الحق نے شریعت کے نفاذ کے لئے ایک بل اسمبلی میں پیش کیا جس کو ہمارے اشرافیہ پر مشتمل حکمرانوں نے منظور نہیں ہونے دیا۔ ایک مرد درویش جسٹس تنزیل الرحمن نے فیڈرل شریعت کورٹ کے ایک فیصلے کے ذریعے بینکنگ ٹرانزایکشنز کو سودی قرار دیا اور حکومت سے اس فیصلہ میں کہا گیا کہ وہ ایک متعین وقت کے اندر متبادل قانون سازی کرلے، لیکن بدقسمتی سے ان کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت اپیل بنچ میں اپیل دائر کردی گئی۔ سابقہ حکومت نے اس خوف کے تحت کہ اپیل کے خلاف فیصلہ

نہ آجائے، شریعت اپیلیٹ بنچ کے مولانا تقی عثمانی کو فارغ کر کے اور اپنی مرضی کے افراد لا کر اس معاملے کو سرد خانے میں ڈلوا دیا۔ میاں نواز شریف کو قرآن وسنت کی حقیقی بالا دستی کے لئے دستور میں ترامیم کا مسودہ تیار کر کے دیا گیا جس پر غور کرنے کے لئے انہوں نے راجہ ظفر الحق پر مشتمل یک رکنی کمیٹی قائم کر دی۔ لیکن اس کمیٹی کی طرف سے کوئی رپورٹ جاری نہیں کی گئی۔

اس سارے عرصے میں صرف ضیاء الحق کے دور میں نفاذ اسلام کے لئے کچھ کوششیں کی گئیں جن میں نظام صلوٰۃ، نظام زکوٰۃ اور فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام شامل ہے۔ نظام صلوٰۃ تو ان کے دور ہی میں چل نہ سکا، البتہ نظام زکوٰۃ آج بھی سیاسی مفادات کے حصول کے ایک ذریعہ کے طور پر جاری ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ کی کٹوتی کا جو طریق رائج کیا گیا وہ بینک کے اکاؤنٹ میں منافع کے طور پر سود میں سے کٹوتی کا ذریعہ بن گیا ہے۔ فیڈرل شریعت کے دائرہ کار کو بھی اس طرح محدود کر دیا گیا کہ نہ عائلی قانون پر اسے دسترس حاصل ہے، نہ ہی وہ دستور اور فوجداری قوانین کو چھیڑ سکتی ہے۔ مالیاتی معاملات کو بھی دس سال تک اس کی پہنچ سے دور رکھا گیا۔ نفع و نقصان کی بنیاد پر اکاؤنٹ کے اجراء کے لئے علماء سے سفارشات طلب کی گئیں۔ بعد میں پتہ یہ چلا کہ سود کو منافع کا نام دے دیا گیا ہے۔ مفتی رفیع عثمانی نے اپنے ایک مضمون کے ذریعہ جو ایک قومی اخبار میں شائع ہوا تھا، حکومت سے یہ کہا تھا کہ اسے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے علماء کی سفارشات میں رد و بدل کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی لوگ ہوں گے جو نہیں چاہتے کہ وطن عزیز میں اسلامی نظام کا نفاذ ہو۔

بہر حال گزشتہ ساٹھ سال کے عرصے میں حکومتوں نے نفاذ اسلام کے اقدامات کرنے کی بجائے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ معاشرے میں سیکولر سوچ کو فروغ حاصل ہوا بلکہ اسلام کے احیاء کے لئے کام کرنے والے کارکنوں میں بھی بددلی اور بیزاری پیدا ہوئی۔

دریں اثناء، عالمی سیاست میں اسلام کے نام پر کھیل کھیلے گئے۔ افغانستان میں روسی فوجوں کی مداخلت کے خلاف جو مزاحمتی تحریک شروع ہوئی اسے بھی جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا گیا۔ دنیا بھر سے مجاہدین کے طور پر مسلمانوں کو افغانستان آنے کی دعوت دی گئی تا کہ وہ اس جدوجہد میں شریک ہوں۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں سوویت یونین کی تحلیل ہوئی جس کا تمام تر فائدہ امریکہ کو پہنچا، جو دنیا میں ایک یونی پولر قوت بن کر ابھرا۔ اس کامیابی کے بعد امریکہ نے کمیونزم کی قوت سے گلو خلاصی حاصل کر کے اسلام کو اپنا ہدف بنا لیا ہے۔ کل کے مجاہدین کو آج امریکہ دہشت گرد قرار دے رہا ہے۔ اسامہ بن لادن جیسے مجاہدین میں اس کا ردعمل پیدا ہوا ہے۔ اگر مزاحمت انتہا پسندی ہے تو اس کا راستہ تو خود امریکہ نے دکھایا۔

طالبان کی حکومت میں مکمل اسلامی نظام تو نافذ نہ ہو سکا لیکن چند شرعی قوانین کے نفاذ کے نتیجے میں امن وامان قائم ہو گیا اور جرائم میں حیرت انگیز کمی واقع ہوئی۔ اس صورتحال نے امریکہ اور یورپ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر اس حکومت کو آغاز ہی میں نہ کچلا گیا تو ان کے نیو ورلڈ آرڈر کے عالمی سطح پر نفاذ کا خواب پورا نہ ہو سکے گا۔ بدقسمتی سے مسلمان حکمرانوں، بالخصوص ہمارے سابق حکمران نے اس معاملے میں امریکہ سے مجرمانہ تعاون کیا۔ جب لوگوں کی مت ماری جاتی ہے تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ ہم خود تو اپنے وطن میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو کیا نافذ کرتے، ایک اسلامی ریاست کے خاتمے کے جرم میں شریک ہو گئے۔ عقل حیران ہے کہ ایسے لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی باز پرس سے کیسے بچ سکیں گے۔ بہر حال طالبان حکومت تو ختم ہو گئی، خود طالبان میں اس قدر مزاحمتی زندگی پیدا ہو گئی کہ آج مغرب یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ ان کی گوریلا وار سے طاقت کے ذریعہ نہیں نمٹا جا سکتا۔ لہٰذا ان سے مذاکرات کے لئے ڈول ڈالے جا رہے ہیں۔ طالبان کی کامیاب مزاحمت نے احیائی تحریکوں کے کارکنان میں مایوسی کو امید میں بدل دیا ہے۔ نہ صرف وطن عزیز کے دینی حلقوں اور نظریاتی کارکنوں کی ہمدردیاں طالبان کے ساتھ ہیں بلکہ عوام میں بھی طالبان حکومت کی سابقہ کارکردگی اور اس کے تناظر میں اپنے ملک کی مایوس کن صورتحال کے نتیجے میں، طالبان کے لئے ہمدردی پائی جاتی ہے۔

بدقسمتی سے ہماری ایجنسیوں نے مختلف تنظیم کے ذریعہ نوجوانوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اب بھی کام امریکہ، بھارت اور اسرائیل کی ایجنسیاں کر رہی ہیں اور انتہا پسندانہ سرگرمیوں میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ایسی ہر سرگرمی کو اسلام پسندوں کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ دوسری جانب امریکہ میزائل حملے جاری رکھ کر پاکستانی عوام کی اپنے خلاف نفرت میں اضافہ کر رہا ہے۔ لال مسجد کے متاثرہ خاندانوں کے افراد کا ردعمل بھی خودکش حملوں کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم ایسے مخلص اور بے لوث قیادت سے محروم ہیں جو ملکی مفاد کو ہر بات پر ترجیح دیتی ہو۔ پانچ ارب ڈالر کے حصول کے لئے ہم دنیا کے سامنے کشکول پھیلائے پھر رہے ہیں حالانکہ ایک خبر کے مطابق ہمارے ملک میں تین افراد ایسے ہیں جن کی بیرون ملک مجموعی دولت پانچ ارب سے زائد ہے۔ ہمارے صدر اور چند دوسرے افراد اگر اپنی بیرون ملک دولت کو وطن لے آئیں تو ملک دیوالیہ ہونے سے بچ سکتا ہے۔ لیکن وائے افسوس۔ ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دینے کے لئے وہ لوگ بھی تیار نہیں ہیں جو پاکستان کی حکمرانی کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ عوام کو تو دو وقت کی روٹی کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ ایسے میں وطن عزیز کو اندرونی و بیرونی سازشوں سے صرف وہی ہستی بچا سکتی ہے جس نے ہمیں یہ آزاد مملکت عطا فرمائی ہے۔ وہی ہر نازک موقع پر ہماری مدد کو آیا ہے اور ہمیں اسی کی ذات پر کامل یقین ہے کہ وہ ہمیں اس بار بھی بچا لے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ تا بکے۔ یہ ایک قابل غور سوال ہے۔ البتہ یہ تو طے ہے کہ جیسے جیسے اسلام کے عدل اجتماعی کے نفاذ سے وطن عزیز میں انحراف بڑھتا جائے گا ہم اس آیت قرآنی کے مصداق بنتے چلے جائیں گے۔ (ترجمہ) ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم اس زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے جا رہے ہیں''۔ (سورۃ الانبیاء: 44) اللہ حکومت کر رہا ہے۔ کوئی اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا نہیں اور اسے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ مشرقی پاکستان سے ہم نے ہاتھ دھویا۔ ہماری زمین تنگ ہو گئی۔ اب عالمی سطح پر بلوچستان اور قبائلی علاقوں کی پاکستان سے علیحدگی کے منصوبے بن رہے ہیں۔ لیکن نہ ہمارے حکمرانوں اور نہ ہی ہمارے عوام کے روز و شب میں کوئی تبدیلی آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا محاسبہ آسان فرمائے۔ (آمین)

دعائے مغفرت کی اپیل

انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے صدر اور تنظیم اسلامی بیرون پاکستان کے ناظم ڈاکٹر عبدالسمیع کے والد قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور ڈاکٹر صاحب اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقاء واحباب سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ و حاسبہ حسابًا یسیرًا

سالانہ اجتماع کا حاصل تذکیر اور یاددہانی تھا!

اجتماع کے ذریعے ہمیں ذاتی محاسبے اور فکرِ تنظیم کی تازگی کا موقع ملا

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کی روداد

مرتب: محبوب الحق عاجز

تنظیم اسلامی کا آل پاکستان اجتماع 2 نومبر سے 4 نومبر 2008ء تک فردوسی فارم ورڈچکے میں منعقد ہوا۔ یہ اجتماع عام تھا، اور اس میں مبتدی اور ملتزم رفقاء کی شرکت لازمی تھی۔ چنانچہ پورے ملک سے رفقاء ذوق وشوق سے اِس میں شریک ہوئے۔ اجتماع کا باقاعدہ آغاز اگرچہ عصر کی نماز سے ہوا لیکن رفقاء صبح سے ہی اجتماع گاہ میں پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ناظم اجتماع مقرر ہوئے تھے۔ اُن کے معاونین کی انتھک محنت نے فردوسی فارم کے خوبصورت قطعہ کو ایک بہترین اجتماع گاہ میں بدل دیا تھا۔ چنانچہ شرکائے اجتماع کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اجتماع گاہ میں داخل ہوتے ہی ایک گائیڈ میپ لگا تھا جس میں اجتماع کے مقامات اور رہائش گاہوں کی تفصیل دی گئی تھی۔ رفقاء واحباب کی رہائش گاہوں کا عمدہ انتظام کیا گیا تھا۔ مکتبہ خدام القرآن، تنظیم اسلامی اور بعض دوسرے اداروں کے سٹال بڑے قرینے سے سجے تھے۔ تنظیم کے سٹال کے عقبی جانب طبی امداد کا کیمپ تھا۔ استقبالیہ کیمپ کے پچھلی جانب گاڑیوں کی پارکنگ کا انتظام تھا، اور کھانے پینے کی اشیاء، چائے اور پھلوں کے سٹال لگے تھے۔ جلسہ گاہ میں پروگراموں کا انتظام بھی بہت عمدہ تھا۔ بلاشبہ ناظم اجتماع اور اُن کی ٹیم نے انتظامی معاملات کو ایسے احسن انداز میں سرانجام دیا تھا کہ اُس افتادِ طبع کے لئے بھی تنقید مشکل تھی جو صرف ناقدانہ جائزے کا رجحان رکھتی ہے۔ ناظم اجتماع نے شرکاء کو ضروری ہدایات دیں اور مائک سٹیج سیکرٹری عبدالرزاق کے حوالے کر دیا۔

افتتاحی خطاب

امیر تنظیم حافظ عاکف سعید نے اپنے مختصر افتتاحی خطاب کا آغاز رفقاء کو خوش آمدید کہتے ہوئے کیا۔ انہوں نے اللہ رب العزت سے دعا کی کہ وہ سالانہ اجتماع میں شرکت کے لیے ساتھیوں کے وقت کے ایثار اور جان و مال کی قربانی کو شرف قبولیت بخشے۔ انہوں نے سورۃ الاعراف کی بعض آیات کے حوالے سے کہا کہ اللہ اپنے کسی بندے پر اُس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا یعنی اہلِ جنت بننا بس سے باہر نہیں ہے۔ ایک حدیث مبارک ہے کہ بندۂ مومن جنت میں جائے گا، سوائے اِس کے جو خود جنت میں جانے سے انکار کر دے۔ یعنی جو رسول ﷺ کو رسول اللہ مانتے ہوئے بھی آپ کی معصیت پر کمربستہ رہے گا گویا اُس نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔ انہوں نے زور دیا کہ ہمیں آخرت کو دنیا پر ترجیح دینی چاہیے۔ اللہ خود دنیا کو دھوکے کا سامان قرار دیتا ہے۔ غلبہ واقامت دین کی جدوجہد کے ہر مرحلے میں ہم میں سے ہر فرد کا حقیقی ہدف رب کی رضا ہونی چاہیے، اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔

ڈاکٹر طاہر خاکوانی: دین کا ہمہ گیر تصور؟

نماز مغرب کے بعد مطالعہ حدیث ہوا۔ بعدازاں ڈاکٹر طاہر خاکوانی نے دین کے ہمہ گیر تصور پر گفتگو کی۔ وہ انجمن خدام القرآن ملتان کے صدر ہیں۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز سورۂ آل عمران کی چند آیات کی تلاوت سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ مذہب کی بنیاد عقائد پر ہوتی ہے۔ عیسائی تثلیث اور کفارے کے عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں۔ گوتم بدھ کے نزدیک دکھوں سے پاک رہنا ہے تو خواہشات سے پاک رہنا ہوگا۔ جین مت روح، مادہ اور خدا کو قدیم قرار دیتا ہے۔ ہندومت کا بنیادی عقیدہ آواگون ہے، جس کے مطابق مختلف جنم ہوتے ہیں۔ بُرا انسان اگلے جنم میں کسی جانور یا سانپ وغیرہ کی صورت میں ہوسکتا ہے۔ پارسیوں کے نزدیک نیکی کا خدا الگ ہے اور بدی کا خدا الگ ہے، وغیرہ وغیرہ۔ المیہ یہ ہے کہ عام مسلمان یہ کہتے ہوئے بھی کہ اسلام مکمل نظام حیات ہے، اسلام کا محدود تصور رکھتا ہے۔ مسلمان کی مذہبی حس صرف اس وقت پھڑکتی ہے جب مساجد یا مدارس یا حرمت قرآن اور حرمتِ رسول کا سوال ہو۔ معاشرتی سطح پر روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے نام پر اختلاط مردوزن، عریانی وفحاشی، مقابلہ حسن وغیرہ پر اس کی مذہبی غیرت جوش نہیں مارتی۔ اگر پارلیمنٹ غیر اسلامی قوانین بنائے یا عدلیہ غیر اسلامی فیصلے کرے تو مسلمانوں کی طرف سے احتجاج سامنے نہیں آتا۔ گویا ہم منہ سے چاہے کچھ کہیں عملی طور پر مسلمان بھی مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں۔ مذہبی جماعتوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ صرف فقہ سے بحث کرتی ہیں۔ وہاں صرف رفع یدین اور طلاق وغیرہ کے مسائل زیر بحث رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دین اسلام کا ہمہ گیر تصور یہ ہے کہ مذہب دین کا جزو ہے، جس میں عقائد، عبادات اور رسومات شامل ہیں یعنی آپ توحید پر کاربند ہوں، آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، رسالت پر ایمان رکھتے ہوں، عبادات کے حوالے سے نماز روزہ کے پابند ہوں اور پیدائش، شادی اور اموات کے موقع پر اسلامی طریقہ سے رسومات ادا کریں، اس کا تعلق فرد سے ہے، جبکہ سیاسی معاشی، اور معاشرتی نظام مل کر دینِ اسلام کو مکمل کرتے ہیں اور مکمل دین کا نفاذ ہی انسانیت کے لئے باعثِ رحمت ہوسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دین غالب نہیں ہوگا تو انسان انسان کو غلام بنائے گا، اُس کا خون چوسے گا۔ سیکولرازم کا آغاز میں یہ موقف تھا کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے اور ہمہ مذہبیت کا تصور دیتا تھا اور ایسا نظام سمجھا جاتا تھا جو مذہب کو حکومت پر اثر انداز نہ ہونے دے، لیکن سیکولرازم کا اگلا مرحلہ مذہب کا مکمل خاتمہ ہے، اِس کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے تن من دھن لگانا ہوگا۔

حافظ خالد شفیع: قرآن مجید کتاب ایمان و انقلاب

اِس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے حافظ صاحب نے کہا کہ یہ موضوع ملکی حالات کے تناظر میں بہت اہم ہے۔ ہم اپنی زندگی کا مقصد بھول چکے ہیں۔ قرآن حکیم اعلیٰ ترین کتاب ہے۔ اِس میں کسی کمی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ یہ اکمل کتاب ہے۔ یہ ایمان نہ لانے والوں کو تنبیہہ کرتی ہے، اور عذاب الیم کی وعید سناتی ہے اور مومنوں کو بشارت دیتی ہے۔ یہ اللہ کا کلام

اور ہدایتِ تامہ ہے، جو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس کی دعوت سے حضور ﷺ نے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ البتہ ہدایت کے لئے تڑپ کی ضرورت ہے۔ ہدایت نصیب اُسے ہوگی جو ہدایت کی خواہش سے قرآن کی تلاوت کرے گا۔ قرآن کا انقلابی کتاب ہونے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ وہ عمرؓ جو حضور ﷺ کے قتل کی نیت سے برہنہ شمشیر سے گھر سے نکلتے ہیں، قرآن کا پیغام اُنہیں ایک امتی کی حیثیت سے حضور کے قدموں میں پہنچا دیتا ہے۔ صحابہؓ قرآن کو ایک حکمنامہ سمجھ کر پڑھتے اور سنتے تھے اور اُس کی عملی تنفیذ کے لئے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ صحابہؓ قرآن کو محض ثواب حاصل کرنے کے لیے مسجد نبوی میں بیٹھ کر پڑھتے نہیں رہتے تھے۔ اگر ہم بھی اپنے اندر انقلابی تبدیلی کے خواہش مند ہیں تو ہمیں قرآن کو تھام کر آپؐ کے اُسوہ حسنہ کی پیروی کرنا ہوگی۔

چودھری رحمت اللہ بٹر: رحمت للعالمینی کا مظہر: نظامِ خلافت

نبی اکرم ﷺ حقیقت میں تمام جہانوں کے لیے رحمت تھے اِس جہاں کے لئے آپؐ کی رحمت کا خصوصی مظہر یہ ہے کہ آپؐ نے انسانیت کو عدل وقسط کا ایسا حسین نظام دیا کہ اسے اپنانے سے دنیا جنت کی نظیر بن جائے۔ اللہ عدل وقسط کا قیام چاہتا ہے، لہٰذا حصول رضائے رب اور جنت میں داخلہ بھی اُسی صورت ممکن ہے کہ اس نظام کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے اور اسی حوالہ سے آپ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا۔ قرآنِ پاک میں پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر ہے اور اُنہیں حکم دیا گیا ہے کہ دین قائم کرو اور اِس کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرو۔ اللہ اِس دنیا میں عدل کے قیام کے لئے کتاب اور میزان دے کر رسولوں کو بھیجتا رہا، تا کہ انسان عدل وقسط پر رہ کر زندگی گزاریں۔ اللہ رب العزت نے خلافت کا وعدہ اِس لیے کیا تا کہ انسانوں کو بادشاہوں کے ظلم ستم سے نکال کر عدل وقسط کے تحت زندگی گزارنے کا موقع مہیا کریں۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر زندگی میں بندگی کا حق صرف اِسی صورت میں ادا کرنا کسی قدر ممکن ہوگا یہ عدل وقسط پر مبنی اِس نظام کی برکت تھی کہ وہ عرب جو پہلے ڈاکے ڈالنے کے عادی تھے، اللہ کے دین کے قیام کے لئے ڈٹ کر لڑے اور مفتوحہ علاقوں میں نظام عدل وقسط قائم کیا۔ افغانستان میں اسلامی نظام اگرچہ ابھی ابتدائی شکل میں تھا لیکن امیر المومنین کے ایک حکم سے پوست کی کاشت بند ہوگئی۔ امریکہ نے اِسی خوف سے افغانستان پر حملہ کیا کہ اگر یہ نظام مستحکم ہو گیا اور اِس کے ثمرات دوسرے علاقوں میں پھیل گئے تو سرمایہ دارانہ نظام جس سے اُنہوں نے بقایا دنیا کو غلام بنایا ہوا ہے، اُسے بُری طرح زک پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ انسانیت کا بھلا صرف اور صرف نظامِ عدل وقسط کے قیام میں ہے۔ ہم اُخروی زندگی میں بھی تب ہی سرفراز ہوں گے اگر ہم نے اِس نظام کے قیام کے لئے اپنے تئیں بھرپور جدوجہد کی ہوگی۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: قرآن حکیم میں گمراھی کن لوگوں کے لئے

قرآن میں محکمات بھی ہیں اور متشبہات بھی ہیں لیکن جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ محکمات کو تو نظر انداز کر دیتے ہیں اور متشبہات پر ڈیرے ڈال لیتے ہیں، اور ایسی من پسند تاویلات کی جاتی ہیں جس سے ایمان میں اور کمی آتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔

کوئی شخص یہ کہے کہ قرآنِ پاک میں سود کھانے سے منع کیا گیا ہے، سود دینے سے منع نہیں کیا گیا، یہ کٹ حجتی ہے۔ اس سے انسان کی کج روی میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھر اللہ کے اِس فرمان کا تمسخر اُڑانے کی کوشش کی گئی کہ جہنم کی آگ میں درخت اُگے ہوں گے۔ قرآنی احکامات کی سائنسی تعبیر کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ سائنسی اصول تو بدلتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آخرت کا انکار انسان کو ایسی جگہ پہنچا دیتا ہے کہ وہ کوئی مدلل اور منطقی بات سننے کو بھی تیار نہیں ہوتا۔

دوسرا دن

دوسرے روز نماز فجر کے بعد درس قرآن ہوا۔ یہ درس ڈاکٹر مقصود نے دیا۔ ساڑھے چھ بجے ناشتا کا وقفہ ہوا۔ ناشتا کے بعد پہلی نشست کا آغاز رہائش گاہوں پر مذاکرہ سے ہوا۔ یہ مذاکرہ گروپ لیڈران نے کرایا۔ مذاکراہ کا موضوع ”فرائض دینی کا جامع تصور“ تھا۔ رفقاء و احباب نے مذاکرہ میں بھرپور حصہ لیا، اور اِس سے فکر کی تازگی میں مدد ملی۔ بعدازاں رفقاء و احباب اجتماع گاہ میں چلے گئے۔ وہاں خالد محمود عباسی اور احمد صادق سومرو کے خطابات ہوئے۔

خالد محمود عباسی: ہمارا منہج

نائب ناظم اعلیٰ شمالی پاکستان خالد محمود عباسی نے منہج انقلاب پر گفتگو کی۔ انہوں نے واضح کیا کہ ہمارے منہج کا دین کے ہمہ گیر تصور کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ انقلاب کے منہج کے ضمن میں ہمارے لیے رہنمائی سیرت نبوی ﷺ میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی تحریکوں کی ناکامی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے انقلاب کے نبویؐ منہاج کو نہیں اپنایا، بلکہ کہیں جمہوریت کا راستہ اختیار کیا، اور کہیں مسلح تصادم کی راہ پر چل نکلیں۔ جمہوریت کے ذریعے تبدیلی نہیں آ سکتی۔ اِس کی مثال الجزائر میں اسلامی نجات پارٹی کی جمہوری جدوجہد ہے۔ اُس نے انتخابات میں 86 فی صد ووٹ حاصل کئے۔ اِس کے باوجود انقلاب کی منزل سر نہ کی جا سکی۔ خالد محمود عباسی نے تنظیم کے منہج کو چھ مراحل کی مدد سے واضح کیا۔ پہلا مرحلہ انقلابی نظریہ اور اُس کی اشاعت ہے۔ اسلامی انقلاب کا اساسی نظریہ توحید ہے۔ اسلامی نظام زندگی کی دعوت باطل کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی بھرپور مخالفت کی جاتی ہے۔ آج بھی جو لوگ اسلامی انقلاب کی بات کرتے ہیں، وہ معتوب ہیں۔ انہیں زمینی حقائق سے نابلد قرار دیا جا رہا ہے۔ عالم کفر ہی نہیں خود مسلمانوں کے اپنے دانشور غیر اسلامی نظام کے محافظ بن کر اسلامی دعوت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ ہمیں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اپنی دعوت کا کام کرتے رہنا ہے، جو لوگ سلیم الفطرت ہوں گے، وہ ضرور حق کی پکار پر لبیک کہیں گے۔ انقلاب کا دوسرا مرحلہ تنظیم ہے۔ تیسرا مرحلہ ٹریننگ اور تربیت ہے۔ تنظیم کے استحکام اور اُس کے کارکنوں کے ایثار وقربانی اور جذبۂ اخوت کا دارومدار عقیدہ کی پختگی پر ہے۔ صبر محض چوتھا مرحلہ ہے۔ کارکنوں کو اپنی دعوت کے جواب میں مصائب اور تشدد پر صبر کرنا ہوگا اور کسی بھی قسم کی مزاحمتی کارروائی سے اجتناب کرنا ہوگا۔ اِس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ معاشرے کے عام لوگ تحریک کے وابستگان کو مظلوم سمجھنے لگیں گے، جس کی مثال لال مسجد کی تحریک ہے۔ جب انقلابی جماعت کے پاس برائی اور غلط نظام کو قوت سے بدلنے کی طاقت پیدا ہوگی تو وہ اقدام اور تصادم کی منزل پر آ جائے گی۔ پھر حکومت کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑا جائے گا۔ منظم تحریک چلا کر حکومت کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے جائیں گے، جن کی منظوری یا شہادت تک یہ تحریک جاری رہے گی۔

احمد صادق سومرو: واسمعوا واطیعوا

اگلے مقرر احمد صادق سومرو صاحب تھے۔ انہوں نے کہا کہ دین کا نفاذ فرد کا کام نہیں، بلکہ اِس کے لیے ایک جماعت درکار ہے۔ حضرت محمد رسول ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت نے اجتماعی جدوجہد کے ذریعے اسلام کو غالب فرمایا۔ اسلام میں جماعت کے بغیر زندگی کا کوئی تصور نہیں۔ اللہ کی مدد بھی جماعت ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ”واسمعوا واطیعوا“ جماعتی زندگی کا بنیادی تقاضا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے امیر کی بات سنیں اور اُس کی اطاعت کریں اور غلبہ دین حق کی راہ میں اپنی صلاحیتوں، توانائیوں اور اموال کا انفاق کریں۔ انہوں نے واضح کیا کہ امیر کی اطاعت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ کی نافرمانی کے معاملے میں تو کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں، تاہم شریعت کے دائرے کے اندر اندر ہمیں اپنے امیر کا ہر حکم ماننا ہے خواہ تنگی ہو خواہ آسانی، خواہ ہماری طبیعت آمادہ ہو خواہ میں اُس پر جبر کرنا پڑے، خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے امیر محترم کے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے، اِس کا تقاضا ہے کہ تنظیم کی طرف

سے ہمیں جو بھی ہدایت دی جائے اُس پر عمل کریں، تنظیم کے پروگراموں اور اجتماعات میں شریک ہوں۔ تنظیم کے تقاضوں کو اپنے ذاتی کاموں پر ترجیح دیں۔ اگر اس معاملے میں سستی اور کوتاہی ہو رہی ہے، تو سمجھ لیجیے کہ یہ شیطان کے ورغلانے کی بنا پر ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے اور وہ انسان کو راہ حق میں ایثار و قربانی اور جدوجہد سے روکتا ہے۔ اُس کے ہتھکنڈوں سے بچنے کے لیے اور زیادہ جماعت کے کاموں میں جت جایئے۔ اگر ہم جماعت اور اُس کے کاموں سے دور ہوں گے تو شیطان اکیلا جان کر اور وار کرے گا...... پھر یہ کہ ہم اللہ کی نصرت طلب کریں اور شیطان کی چالوں سے اللہ کی پناہ مانگیں۔

بانیٔ تنظیم اسلامی کے ساتھ
سوال و جواب کی نشست

دن ساڑھے گیارہ بجے دوسری نشست کا آغاز ہوا۔ شیڈول کے مطابق خطاب ڈاکٹر عبدالسمیع کا تھا، لیکن پروگرام میں تبدیلی کر کے بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے ساتھ شرکاء کی سوال و جواب کی نشست رکھی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ تنظیم اسلامی کے علاوہ صرف جماعت اسلامی واحد جماعت ہے، جس نے اقامت دین کو اپنا ہدف بنایا ہے، باقی کوئی بھی جماعت یہ ہدف نہیں رکھتی۔ یہ جماعتیں فرقہ وارانہ گروپ یا ٹریڈ یونینیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حالات کیسے بھی ہوں، ہمیں نتائج سے بے پرواہو کر نبوی منہج کے مطابق غلبہٗ دین حق کے لئے اپنی سی کوشش کرتے رہنا ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ اسلامی انقلاب کب برپا ہونے کا امکان ہے، تو اُن کا کہنا تھا کہ مستقبل کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے، تاہم بعض روایات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ پندرھویں صدی اِس امت کی آخری صدی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اِسی صدی کی آئندہ نسل میں پاکستان و افغانستان کے خطے سے غلبہٗ اسلام کا آغاز ہو جائے گا یہ الگ بات ہے کہ اِس سے پہلے پاکستان پر کئی نشیب و فراز آ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ افغانستان پر یلغار کا بنیادی سبب بھی یہی تھا کہ صلیبی دنیا اور صیہونیوں کو یہاں اسلامی احیا کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے۔ چنانچہ اِسی کی راہ روکنے کے لیے تاریخ کی سب سے بڑی کولیشن وجود میں لائی گئی۔ ایک رفیق کی طرف سے پوچھا گیا کہ رفقائے تنظیم اسلامی میں "رحماء بینھم" کے تعلق کو کیونکر مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اِس کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ ایک آپ کا اپنے نظریہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ یہ تعلق جس قدر مضبوط ہوگا، اپنے رفقاء سے محبت میں اِسی قدر اضافہ ہوگا۔ اور دوسری چیز سیرت صحابہؓ کا مطالعہ ہے۔ صحابہؓ کے اخوت و بھائی چارے کے سبق آموز واقعات ہمارے باہمی رشتے کو مزید مضبوط بنائیں گے۔ کسی ایک مسلک کی پیروی اور تقلید کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ عام آدمی کے لیے تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں، اِس لیے کہ تحقیق اور تقابلی مطالعہ ہر آدمی کے بس میں نہیں ہوتا، لہٰذا اُسے لامحالہ کسی مسلک کی پیروی کرنے پڑے گی، اور چاروں مسلک اور چاروں مسالک برحق ہیں...... تاہم اگر کوئی شخص تقابلی مطالعہ کی صلاحیت رکھتا ہو، تو وہ کسی مسئلے میں اپنے مسلک کے علاوہ دوسرے مسلک کی پیروی بھی کر سکتا ہے۔ اِس میں کوئی حرج نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ تنظیم میں کسی مسلک کی کوئی قید نہیں، کوئی بھی مسلک رکھنے والا شخص تنظیم کا رفیق بن سکتا اور رہ سکتا ہے۔ اسلامی ریاست میں مسالک اور فقہ کی حیثیت کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اسلامی مملکت میں تمام مسالک کو کھلی آزادی ہوگی۔ وہ پرسنل لاء میں اپنی اپنی فقہ کی پیروی کریں گے۔ تاہم ریاست کا پبلک لاء صرف کتاب و سنت ہوگا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے علاوہ تیسری ہر شے نظائر کی حیثیت سے ہوگی۔ ایک اور سوال اسلام میں خودکش حملوں کے حوالے سے تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ بڑا حساس سوال ہے، میں اِس بارے میں کوئی فتویٰ نہیں دیتا۔ انہوں نے کہا کہ خودکش حملوں کو حرام کہہ دینا تو آسان ہے، لیکن ہمیں اِس بات پر بھی دھیان کرنا چاہیے کہ یہ حملے امریکہ اور اُس کے ظلم و جارحیت کے خلاف انتقامی جذبہ کے تحت ہو رہے ہیں، اور قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ اِس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو علانیہ بُرا کہے، مگر وہ جو مظلوم ہو۔ اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔" (النساء: 148) ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جنگ میں خودکش حملے جائز ہیں۔ یہ حملے آج ہی نہیں ہو رہے، بلکہ دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں نے بھی خودکش حملے کیے۔ پھر یہ کہ خود ہمارے لوگوں نے انڈیا کے خلاف جنگ میں خودکش حملے کیے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک حساس ایشو ہے۔ میں نہ تو اِس کی حمایت کرتا ہوں اور نہ اِس کی مذمت کرتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے بعد نماز ظہر ادا کی گئی اور کھانے کا وقفہ ہوا۔ نماز عصر کے بعد تیسری نشست کا آغاز ہوا، جو نماز عشاء تک جاری رہی۔ اِس میں ہونے والے خطابات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

عبدالسلام عمر: جماعتی زندگی میں اخوت و ایثار

عبدالسلام عمر نے کہا کہ ہر دور میں دنیا میں دو گروہ رہے ہیں۔ ایک حق کا گروہ ہے، جو انبیاء اور اُن کے ماننے والوں کا ہے۔ دوسرا شر کا گروہ ہے، جس کا سرغنہ شیطان اور گمراہ جن و انس اُس کے ایجنٹ ہیں۔ پہلا گروہ حزب اللہ ہے اور دوسرا حزب الشیطان۔ دونوں کے درمیان حق و باطل کی کشمکش روز ازل سے جاری ہے۔ حزب اللہ اللہ کے ہاتھ میں شمشیر کی مانند ہے، جسے اللہ باطل کے سر پر دے مارتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر امت مسلمہ بحیثیت مجموعی اپنی ذمہ داریوں سے غافل بھی ہو جائے تو بھی اِس میں ایک گروہ ضرور ایسا ہو، جو خیر و بھلائی کی دعوت دے اور غلبہٗ حق کے لیے کوشاں ہو۔ انہوں نے کہا کہ حزب اللہ کی مضبوطی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ ایک سمع و طاعت ہے جو ایک جسم کی مانند ہے اور دوسرے اخوت و ایثار کا جذبہ ہے جو بمنزلہ روح کے ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ مسلمانوں کی کوئی اجتماعیت اخوت و ایثار کے بغیر مضبوط نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ باطل پر غالب آ سکتی ہے۔ اگر غالب آ بھی گئی، تو فتح و کامیابی کے بعد باہم جنگ و جدال کا شکار ہو جائے گی۔ جس کی نمایاں مثال یہ ہے کہ روس کے خلاف افغان مجاہدین کو کامیابی حاصل ہوئی، لیکن بعد ازاں یہی لوگ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ اخوت و ایثار کی بنیاد اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان ہے۔ یہ ایمان جتنا گہرا ہوگا، باہمی تعلق اُسی قدر مضبوط ہوگا اور ایثار و قربانی کے جذبات فروغ پائیں گے۔ صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت کو دیکھیے، انصار مدینہ نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے ایثار و قربانی اور مواخات کی کیسی عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔ اخوت و ایثار کا جذبہ جہاں رفقاء سے مطلوب ہے، وہاں ذمہ داران کو اِس حوالہ سے بھی سبقت حاصل کرنا ہوگی۔ اِس لیے کہ یہ اُن کی محبت ہی ہے جو رفقاء میں مزید تحریک پیدا کرے گی۔

شجاع الدین شیخ: امانت داری اور عہد کی پاسداری

شجاع الدین شیخ نے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ امانت اور ایفائے عہد بندۂ مومن کے اہم اور بنیادی اوصاف ہیں۔ جو شخص ان اوصاف سے محروم ہے، وہ حقیقی معنوں میں مومن نہیں، بلکہ مرض نفاق میں مبتلا ہے۔ امانت و دیانت کی کیا اہمیت ہے، اِس کا اندازہ اِس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں مختلف پیرائے میں 26 مرتبہ امانت کا ذکر آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امانت و دیانت ایک تو تمام زندگی میں ہے جس کی پاسداری ازحد ضروری ہے، لیکن ایک جماعتی زندگی میں ذمہ داریوں کے حوالے سے ہے۔ دین کا پیغام ہمارے پاس امانت ہے۔ قرآن کی دعوت جس پر تنظیم کی بنیاد ہے، ہمارے پاس امانت ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ آیا ہم اِس پیغام اور دعوت کو اپنے اہل خانہ اور دوست احباب تک پہنچا رہے ہیں یا نہیں۔ اِسی طرح تنظیم کی طرف سے عائد ہونے والی ذمہ داریاں بھی ہمارے پاس امانت ہیں۔ ہم اِن ذمہ داریوں کو صحیح معنوں میں ادا کر رہے ہیں یا نہیں۔ جماعتی مناصب اور ذمہ داریاں بھی امانت ہیں، ہم ان کے تقاضے پورے کر رہے ہیں، یا اُن سے غفلت برت رہے ہیں۔ سب سے بڑھ کر فرائض دینی کا جامع تصور ہمارے پاس امانت ہے۔ ہمیں اِس تصور کو عام کرنا ہے۔ یہ بات عجیب ہوگی کہ دس روپے کا گلاس ٹوٹنے پر تو ہمیں تکلیف ہو، مگر اللہ کا دین مٹ رہا ہو، اُس کے خلاف سازشیں ہو رہی ہوں اور ہمیں اس پر کوئی فکر اور پریشانی لاحق نہ ہو اور غصہ نہ آئے۔......... عہد کی پاسداری کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ یہ بھی مومن کی ایک اہم

صفت ہے۔ قرآن حکیم میں ایفائے عہد کا 20 مرتبہ ذکر آیا ہے۔ جماعتی زندگی کے حوالے سے ہمارا عہد وہ عہد تنظیم ہے، جس کا ذکر بیعت فارم میں ہے۔ اِس کا تقاضا ہے کہ اپنے ایمان و یقین کی پختگی کے لیے قرآن حکیم کی تلاوت کریں، اُس کا فہم حاصل کریں، دروس قرآن کی محافل میں شریک ہوں۔ اپنا محاسبہ کرتے رہیں کہ آیا فی الواقع ہمارا نصب العین اللہ کی رضا ہے یا کوئی اور شے ہمارا مقصود بن گئی ہے۔ عقائد اور اعمال کی درستگی کی کوشش کریں، اپنے دینی علم میں اضافہ کریں۔ الاقرب فالاقرب کے اصول کے تحت اپنی دعوت کو عام کریں۔ تنظیم کے نظم کی پابندی کریں، اس کے اجتماعات اور دوسرے پروگراموں میں ذوق وشوق سے شریک ہوں۔ اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کریں۔ چوبیس گھنٹے کی زندگی میں اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی پیروی کریں۔ اس کے بعد نماز مغرب ادا کی گئی۔

فضل حکیم: مہلکات اجتماعیت

جناب فضل حکیم نے کہا کہ اجتماعیت انسان کی لازمی ضرورت ہے۔ کمپنیاں، کاروباری ادارے، گروپ، رفاہی ادارے اور سیاسی پارٹیاں انسان کی اِسی ضرورت کا مظہر ہیں۔ دینی اجتماعیت اِن سب سے منفرد ہے۔ اِس کے دو اجزائے ترکیبی ہیں۔ ایک امیر ہے اور دوسرا مامورین۔ اِن دونوں کو ایسی چیزوں سے بچنا چاہیے جو اجتماعیت کو تباہ کریں۔ امیر کو چاہیے کہ وہ نرم خو ہو، احتساب کے لیے تیار رہے، تحمل و بردباری کی صفت رکھتا ہو۔ اگر صورت اس کے برعکس ہو تو اجتماعیت کبھی مضبوط نہ ہو سکے گی۔ اِسی طرح مامورین کو چاہیے کہ وہ بھی مہلکات اجتماعیت سے اپنے آپ کو بچائیں۔ رائے پرستی سے اجتناب کریں، تنظیمی لٹریچر اور اجتماعات کے ضمن میں غفلت نہ کریں، عدم سنجیدگی سے احتراز کریں۔ ایک بہت بڑی مہلک چیز اپنی عادات کی غلامی ہے۔ اگر کوئی غلط عادت آپ کے مزاج کا حصہ ہے یا آپ میں کوئی بُرائی موجود ہے تو اِس کی اصلاح کریں۔ انہوں نے یاد دلایا کہ تنظیم اسلامی ہمارا مشترکہ ورثہ ہے۔ اِس شجر کی آبیاری کے لیے بہت محنتیں ہوئی ہیں۔ ہمیں اِس کے استحکام اور مضبوطی کے لیے انتھک محنت کرنی چاہیے۔

انجینئر نوید احمد: تحریکی زندگی میں حُبّ عاجلہ کے مظاہر

انجینئر نوید احمد نے کہا کہ حبّ عاجلہ انسان کی تخلیق کا حصہ ہے۔ دینی تحریکوں میں عجلت پسندی بالعموم اس لیے ہوتی ہے کہ جو لوگ اِن سے وابستہ ہوتے ہیں، وہ رائج الوقت غلط نظام سے نفرت کرتے ہیں، لہٰذا چاہتے ہیں کہ جلد از جلد اس کا خاتمہ ہو۔ فحاشی و عریانی، ظلم و ناانصافی کا قلع قمع ہو۔ اسی طرح حب عاجلہ کا مظہر یہ ہے کہ ہماری تنظیم کی افرادی قوت تیزی کے ساتھ بڑھے۔ یہ جذبہ بنیادی طور پر ٹھیک ہے، لیکن قرآن وسنت کی تعلیم یہ ہے کہ ہم غلبہ دین حق کے لیے جلد بازی سے اجتناب کریں اور صبر سے کام لیں۔ صحابہ کرامؓ بھی چاہتے تھے اللہ کی مدد جلد آجائے اور اللہ کا دین غالب ہو، لیکن انہیں یہ بات سکھائی گئی کہ وہ جلدی نہ کریں۔ انجینئر نوید احمد نے کہا کہ ہمارا کام یہ ہے کہ اپنی کوششیں جاری رکھیں، اس سے قطع نظر کہ یہ کوششیں نتیجہ خیز ہوتی ہیں یا نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اُس کی نصرت کی دُعا کرتے رہیں۔ اپنی تربیت پر توجہ کریں۔ اس بات کو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی بغیر تربیت کے نظام چلانے کی ذمہ داری نہیں دیتا۔ انہوں نے کہا کہ انتخابی طریق کے تحت دینی جماعتیں جو جدوجہد کر رہی ہے، یہ بھی عجلت پسندی کا مظہر ہے۔ ہمارا اصل کام یہ ہے کہ اسلام کی انقلابی دعوت کو عام کریں، افراد کی تربیت کریں، انہیں منظم کریں اور غلبہ دین کے لیے اپنا تن من دھن لگا دیں۔

ڈاکٹر عبدالسمیع: حقیقت نفاق

انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے صدر ڈاکٹر عبدالسمیع نے حقیقت نفاق پر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ نفاق ایک باطنی بیماری ہے، جس کا انسان شکار ہو جاتا ہے۔ حدیث کے مطابق جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت اور گالم گلوچ اس کی علامات ہیں۔ تحریکی زندگی میں اس کا مظہر یہ ہے کہ ایسی باتیں کی جائیں جن سے تحریک کو نقصان پہنچے۔ آدمی جھوٹی قسمیں کھائے، دوسروں کو حقیر اور احمق خیال کرے۔ تنظیم اسلامی سمیت کوئی بھی جماعت اس بیماری سے پاک نہیں ہو سکتی۔ نبی اکرم ﷺ کے دور سعید میں منافقین نبی ﷺ کی نافرمانی کے لیے مشورے کرتے، اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کے ذریعے منافقین کی چالوں اور تدبیروں کو غیر موثر بنا دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے متنبہ کیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے آپ کو نفاق سے بالکلیہ پاک نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ ہر ایک کو اپنے اندر نفاق تلاش کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا صاحب منصب وحیثیت لوگوں اور عہدیداروں کو اس بیماری کا زیادہ اندیشہ ہونا چاہیے۔ خاص طور پر وہ لوگ جنہیں امارت سے ہٹا دیا جائے، یا اُن کی جگہ کسی اور کو امیر مقرر کر دیا جائے۔

مختار حسین فاروقی: داعیانہ کردار اور مرحلہ دعوت کے تقاضے

انجمن خدام القرآن جھنگ کے صدر مختار حسین فاروقی نے کہا کہ موضوع زیر بیان کے تین الفاظ اہم ہیں۔ دعوت، داعی اور کردار۔ دعوت سے مراد وہ نظریہ ہے جسے ایک جماعت لے کر چلتی ہے۔ ہماری دعوت، ہمارا نظریہ توحید ہے، عملی توحید۔ داعی وہ شخص ہے جس کو دعوت اور اُس کے اسلوب کا علم ہو، جسے معلوم ہو کہ جنہیں وہ دعوت دینے جا رہا ہے، وہ کون لوگ ہیں، ماحول کیسا ہے۔ کردار فارسی زبان کا لفظ ہے۔ اِس کا مطلب چال چلن ہے۔ داعیانہ کردار یہ ہے کہ داعی کی زندگی دعوت کے مطابق ہو۔ رفیق تنظیم کی حیثیت سے ہمارے لیے داعیانہ کردار کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ ہمیں انقلاب کے وہ چھ مراحل یاد ہوں، اور اُن کا واضح شعور ہو، جو سیرت النبی ﷺ سے ماخوذ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دعوت کا مرحلہ ایسا ہے، جس میں امیر، مامور، ناظم ہر ایک کو اپنی اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لینا ہے۔ اِس مرحلہ کا تقاضا ہے کہ زیر دعوت لوگوں سے نرمی کی جائے، انہیں جھڑکنے سے اجتناب کیا جائے۔ اس مرحلے پر جو مشکلات آئیں، اُن کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے، اور یہ یقین ہو کہ بالآخر آسانیاں آئیں گی۔ ہر دم اپنے مقصد پر نظر رہے کہ اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح ہمارا مقصود ہے۔ دنیا سے بے رغبتی ہو، اور وسائل دنیا کے معاملے میں اوسط درجے یا کم از کم تک اپنے آپ کو محدود رکھا جائے۔

مختار حسین فاروقی کے خطاب کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی اور مطالعہ حدیث ہوا۔ بعد ازاں کھانے اور آرام کا وقفہ ہوا۔

تیسرا دن

امیر تنظیم اسلامی کا اختتامی خطاب

تیسرے دن نماز فجر کے امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید نے شرکاء اجتماع سے اختتامی خطاب فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس کی توفیق کے سہارے، ہم یہ اجتماع منعقد کر سکے۔ اجتماع کے انعقاد میں جن لوگوں نے محنت کی، وہ بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اجتماع کے منتظمین اور جان ومال کا انفاق کر کے آنے والے تمام شرکاء کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ یہ اجتماع تذکیر اور یاد دہانی ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں اپنی باطنی بیماریوں کی اصلاح اور فکر تنظیم کی تازگی کا موقع ملا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم جس فکر کی دعوت دے رہے ہیں، یہ پورے قرآن میں پھیلی ہوئی ہے، تاہم سورۃ الحج کی آیات 78,77 کی مدد سے اس کو مختصراً سمجھا جا سکتا ہے۔ اِن آیات میں ہماری دینی ذمہ داریوں کی چار سطحیں بیان کی گئی ہیں۔

دینی ذمہ داریوں کی پہلی سطح کیا ہے؟ اس کی بابت فرمایا: ”مومنو! رکوع کرتے اور سجدے کرتے رہو“

امیر محترم نے کہا کہ یہاں نماز کا ذکر کر کے گویا ارکان اسلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ارکان اسلام وہ چیزیں ہیں جو ہر مسلمان کو معلوم ہیں خواہ وہ اُن پر عمل کرے یا نہ کرے۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ نماز فرض ہے۔ ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ صاحب استطاعت پر حج فرض ہے۔ صاحب نصاب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ یہ ہماری دینی ذمہ داریوں کی پہلی سطح ہے، جس سے ہر آدمی آگاہ ہے مگر افسوس کہ اس کے بعد کی تین سطحیں ہمارے حافظے سے ہی محو ہو گئی ہیں۔

ہمیں ان کا شعور ہی نہیں رہا۔

دینی ذمہ داریوں کی دوسری سطح کیا ہے؟ فرمایا: ''اپنے رب کی بندگی (غلامی) کرو''۔

بندگی سے کیا مراد ہے؟ اس کو قرآن ایک دوسرے انداز سے واضح کرتا ہے۔ جا بجا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ ''اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول'' ''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی''۔ جب تم نے اللہ کو اپنا رب اور اس کے رسول ﷺ کو رسولِ برحق مان لیا تو اب لازم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اُن کا کہا مانو۔ رسول ﷺ کی اطاعت اصل میں اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ اللہ کی بندگی نام ہے جذبہ محبت کے ساتھ اُس کی کامل اطاعت کا' یعنی جس کام کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے آدمی اسے انجام دے اور جس سے منع کیا ہے اس سے رک جائے۔

دینی ذمہ داریوں کی تیسری سطح کیا ہے؟ فرمایا: ''اور نیکی (اور خیر) کے کام کرو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

نیکی میں بہت سے امور آتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد خدمتِ خلق ہے' یعنی دوسروں کے کام آنا' کسی کو تکلیف میں دیکھ کر اس کی تکلیف کو رفع کرنا' اس کے لیے بھاگ دوڑ کرنا' دوسروں سے ہمدردی کرنا' یہ سب خدمتِ خلق کے کام ہیں۔ اِسی طرح بھوکے کو کھانا کھلا دینا' کوئی قرض کے بندھن میں جکڑا ہوا ہو تو اس کی اتنی مدد کرنا کہ قرض سے نجات پا جائے' یہ بھی خدمتِ خلق ہے۔ غلاموں کو آزاد کرنا بھی مخلوق کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اگر آدمی مخلوق کی خدمت میں لگا ہوا ہے' اُس میں انسانی ہمدردی' ایفائے عہد اور امانت داری کے اوصاف موجود ہیں' تو گویا یہ اس کی خاموش دعوت ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ دعوت دے رہا ہے لیکن انسانی ہمدردی اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے محروم ہے' اگر کوئی شخص روزمرہ زندگی میں عہد و پیمان کا پابند نہیں اور امانت داری کے معاملے میں اُس کا دامن پاک نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت کا خود دشمن ہے۔ امیر محترم نے کہا کہ خدمتِ خلق کا ایک اور پہلو بھی ہے' اور وہ ہے لوگوں کی عاقبت سنوارنے کی فکر کرنا' ان تک اللہ کا پیغام پہنچا دینا' تا کہ وہ بھی اللہ کی بندگی کرنے لگیں اور اپنی آخرت کو سنوار سکیں اور یہ خدمتِ خلق کی بلند ترین سطح ہے۔ آیت 78 میں ذمہ داریوں کی چوتھی سطح کا تذکرہ ہے۔ فرمایا: ''اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے''۔

جہاد کا لفظ جدوجہد' کشمکش اور انتہائی سعی و کوشش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ کشمکش اور جدوجہد سرکش قوتوں کے خلاف مطلوب ہے۔ یہ وہ طاقتیں ہیں جو اللہ کی بندگی' اُس کی رضا جوئی اور اُس کی راہ پر چلنے میں مانع ہیں۔ ان قوتوں کو شکست دے کر آدمی خود بھی اپنے آپ کو بھی بندگی کے لئے تیار کرے اور دوسروں کو بھی بندگی کی دعوت دے' یعنی شہادت علی الناس کا فریضہ ادا کرے' اور دنیا میں اللہ کے نظامِ بندگی کے لئے راہ ہموار کرے۔ اس جہاد کا اوّلین ہدف آدمی کا نفسِ امارہ ہے۔ یہ اندرونی معرکہ ہے۔ خارجی سطح پر جہاد فی سبیل اللہ کا پہلا مرحلہ شہادت علی الناس ہے۔ اسی کے لیے اس امت کو چنا گیا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا:

''اُس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔ (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا)۔ اُسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے۔ تو جہاد کرو) تا کہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں۔ اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہو''۔

امیر محترم نے حاضرین کو نصیحت کی کہ وہ شہادت علی الناس کی ذمہ داری سے پہلے خود اپنے وجود پر اللہ کا دین قائم کریں۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچنے کا ذریعہ بھی کتاب ہے۔ اس کی صبح شام تلاوت کو معمول بنا لیں' رات کو قیام اللیل کا اہتمام کریں۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں دشمنوں نے بہت خوب کہا تھا کہ وہ رات کے راہب اور دن کے شہسوار ہیں۔ صحابہ کرامؓ ہمارے لیے رول ماڈل ہیں۔ ہمیں ان کی راہ پر چلنا ہے ہمیں چاہیے کہ کثرت سے استغفار کریں' ذکر و اذکار کو اپنا معمول بنائیں' نبی اکرم ﷺ پر کثرت سے درود پڑھیں۔ مختصر یہ کہ ہم ہر لحہ رضائے الٰہی کے نصب العین کو پیشِ نظر رکھیں' تنظیمی نظم کی پابندی کریں' اور دعوت جو ابتدائی مرحلہ ہے' اُس کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کر دیں۔ اللہ میرا اور آپ کا حامی و ناصر ہو۔ (آمین)

دراجکے تا مینارِ پاکستان لاہور' ریلی

امیر محترم کے خطاب کے بعد رفقاء نے اپنی اپنی رہائش گاہوں پر ناشتا کیا۔ آٹھ بجے شرکاء اجتماع کی گروپوں کی صورت میں لاہور ریلی پر روانگی کا آغاز ہوا۔ ریلی کے دوران مریدکے میں شجاع الدین شیخ نے خطاب کیا۔ انہوں نے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں امریکی جارحیت کی مذمت کی' اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ امریکہ سے تعاون کی پالیسی کو فی الفور ترک کرے۔ انہوں نے قوم سے بھی اپیل کی ہے کہ وہ شریعت سے متصادم طرزِ زندگی کو ترک کر کے اسلامی زندگی کو اختیار کرے۔ انہوں نے واضح کیا قوم و ملک کے مسائل کا حل اسلامی نظام ہے۔ ہم نے یہ ملک جس مقصد کے لیے حاصل کیا تھا' اس کی جانب پیش قدمی ضروری ہے' ورنہ ذلت و رسوائی کا یہ سفر کبھی ختم نہ ہو سکے گا۔ ریلی کے دوران رفقا نے مثالی نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ ریلی کے تمام شرکاء بارہ بجے مینار پاکستان پہنچ گئے۔ یہ وہ تاریخی مقام ہے' جہاں 1940ء میں قرار دادِ پاکستان منظوری ہوئی تھی' اور آج یہاں تنظیم اسلامی کا قافلہ حکمرانوں کو حصول پاکستان کے مقاصد کی یاددہانی کرا رہا تھا۔ سوا بارہ بجے بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ تشریف لے آئے۔ اور پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا' اور پھر کلامِ اقبال ''خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ'' پیش کیا گیا۔ بعد ازاں بانیٔ تنظیم اسلامی نے حاضرین سے مفصل خطاب فرمایا۔

شرکاء ریلی سے بانیٔ تنظیم اسلامی کا خطاب

بانیٔ تنظیم اسلامی نے کہا کہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کا اوّلین ہدف عالم اسلام ہے۔ اس جنگ کے پیچھے یہودی سازش کار فرما ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ اپنے مفادات کی تکمیل کی خاطر عالم اسلام کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ اس جنگ کا دوسرا ہدف تیل کی دولت کے وسائل پر قبضہ کرنا ہے۔ تیسرے اسلامی دنیا کو شرم و حیا سے عاری کرنا ہے' تا کہ ان کی ایمانی قوت کو کمزور کر کے دفاعی صلاحیت ختم کی جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی دنیا پر یلغار کے ضمن میں افغانستان کو پہلا ہدف اس لیے بنایا گیا کہ یہاں اسلامی نظام کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ یہودی سازش کا دوسرا ہدف عراق بنا' کیونکہ مشرقِ وسطیٰ میں یہودی عزائم کی راہ میں صرف یہی خطہ رکاوٹ بن سکتا تھا۔ اسلام دشمن قوتوں کا تیسرا ہدف پاکستان ہے کیونکہ یہ مسلم فنڈامینٹلزم کا گڑھ ہے۔ اس علاقے میں داخل ہو کر ایک طرف وہ چین کا گھیراؤ دوسری طرف بلوچستان کے معدنی وسائل پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ بانیٔ تنظیم اسلامی نے کہا کہ آئی ایم ایف (IMF) سے امداد لینا اپنی موت کے پروانے پر دستخط کرنے کے مترادف ہے۔ اگر ہمارے حکمران اس سے باز نہ آئے تو پاکستان مکمل طور پر امریکی شکنجے میں آ جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اسلامی نظام کے قیام کے لیے وجود میں آیا۔ لیکن اپنے نظریہ کو پسِ پشت ڈالنے کی وجہ سے اپنی وجہِ جواز کھو چکا ہے۔ نفاذِ اسلام سے پسپائی کے نتیجہ میں سزا کے طور پر عذابِ الٰہی کا کوڑا برسا اور پاکستان دولخت ہو گیا۔ اگر ہم نے اب بھی اپنا قبلہ درست نہ کیا تو کہیں مشرقی پاکستان جیسا سانحہ دوبارہ رونما نہ ہو جائے۔ اگر پوری قوم انفرادی و اجتماعی سطح پر توبہ کرے' ملک میں اسلام کی آبیاری کے وعدے کو پورا کرے تو اللہ کی مدد و نصرت کے ساتھ ہم نہ صرف اپنے مسائل پر قابو پالیں گے' بلکہ اسلام دشمن قوتیں بھی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی اور ہم عالمی نظامِ خلافت کے قیام میں اپنا کردار ادا کر سکیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے بعد اجتماعی دعا پر تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع اختتام پذیر ہوا اور رفقاء اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

علامہ اقبال اور عربی زبان

حافظ محمد مشتاق ربانی

علامہ اقبال کے فکری ارتقا میں عربی زبان اور قرآن شریف کا نمایاں کردار ہے۔ بلکہ قرآن شریف کو جو وہ براہ راست سمجھ سکے تھے، وہ عربی زبان سے واقفیت ہی کی وجہ سے ہوا، اور آج ہم اسی عربی زبان کو اپنے نظام تعلیم میں مناسب مقام دینے سے احتراز کر رہے ہیں۔

جس شخص کی تعلیم کا آغاز عربی زبان سے ہوا، اس کی شخصیت کی تشکیل میں اس زبان کا کس قدر کردار ہوگا؟ حضرت علامہ خود بیان فرماتے ہیں: ''میری تعلیم عربی اور فارسی سے شروع ہوئی'' (سید نذیر نیازی: اقبال حضور کے حضور، ج1، ص94)

حضرت علامہ نے صرف اپنی ابتدائی تعلیم میں ہی عربی زبان بطور مضمون نہیں پڑھی بلکہ تعلیم کے ہر مرحلے میں عربی زبان وادب سے منسلک رہے، جیسا کہ ایف اے میں بھی انہوں نے اس زبان کو بطور مضمون اختیار کیا۔ سید نذیر نیازی ''دانائے راز'' میں حضرت علامہ کی عربی زبان سے واقفیت اور تعلق کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''عربی زبان میں ان کی قابلیت کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ایف اے اور بی اے کے امتحانات میں عربی میں اوّل آئے''۔ بی اے کی کلاس میں اقبال نے انگریزی، فلسفہ اور عربی کے مضامین لیے۔ اقبال اگرچہ گورنمنٹ کالج (جسے اب یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا ہے) کے طالب علم تھے، لیکن اس زمانہ میں اورینٹل کالج کی بی اے کی کلاسوں میں بھی پڑھتے تھے۔ دونوں کالجوں میں باہمی تعاون کے اصول پر بعض مضامین کے پڑھانے میں اشتراک عمل کا سلسلہ جاری تھا۔ اقبال بی اے کے طالب علم کی حیثیت سے انگریزی اور فلسفہ کے مضامین تو گورنمنٹ کالج کی کلاسوں میں پڑھتے اور عربی زبان وادب کا مطالعہ اورینٹل کالج میں کرتے تھے۔ اس دور کے گورنمنٹ کالج اور اورینٹل کالج کے اساتذہ میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا محمد حسین آزاد اور مولوی محمد دین شامل تھے۔

اقبال کی پہلی ملازمت عربی زبان میں قابلیت کی بنا پر ہوئی۔ ان کا تقرر اورینٹل کالج میں میکلوڈ عریبک ریڈر کے طور پر ہوا۔ یہ تقرر 13 مئی 1899ء کو ہوا۔ ریڈر سے مراد ریسرچ سکالر کے ہیں۔ آپ کے فرائض میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے:

1۔ عربی کتب نصاب کی طباعت کی نگرانی
2۔ عربی/انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ
3۔ اورینٹل کالج میں درس وتدریس

اقبال کی عظمت اور عربی زبان میں قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ وہ لندن یونیورسٹی میں چھ ماہ کے لیے عارضی طور پر عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ یہ تقرر لندن کے اس قیام کے دوران ہوا جب پروفیسر آرنلڈ چھ ماہ کے لیے رخصت پر گئے اور اقبال نے ان کے قائم مقام کی حیثیت سے تدریس کے فرائض سنبھالے۔

اب اقبال کا اپنا بیان پڑھیے جو انہوں نے مہاراجا کشن پرشاد کے نام 15 اپریل 1917ء کے ایک خط میں اپنی عربی دانی کے بارے میں لکھا تھا:

''اس کے متعلق یہ امر سرکار کے گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ عربی زبان کے امتحانات میں مَیں پنجاب میں اوّل رہا ہوں۔ انگلستان میں مجھ کو عارضی طور پر چھ ماہ کے لیے لندن یونیورسٹی کا عربی پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ واپسی پر پنجاب اور الٰہ آباد کی یونیورسٹیوں میں عربی اور فلسفہ میں بی اے اور ایم اے کا ممتحن مقرر کیا گیا اور اب بھی ہوں۔ امسال الٰہ آباد یونیورسٹی کے ایم اے کے دو پرچے میرے پاس تھے۔ (سید مظفر حسین برنی، مرتب: کلیات مکاتیب اقبال' جلد اوّل ص 589-590'')

ان تصریحات سے اندازہ لگائیں کہ اقبال عربی زبان سے کس قدر دلچسپی رکھتے تھے۔ اقبال کی شخصیت کا یہ ایک ایسا پہلو ہے جس کو عام طور پر مناسب حد تک اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اقبال نے فارسی اور اردو کو ذریعہ اظہار بنایا اور ان کے پورے کلام میں ایک بھی شعر عربی زبان میں نہیں ملتا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے اشعار آیاتِ قرآنی، عربی ضرب الامثال، عربی تراکیب، عربی الفاظ، عربی محاوروں اور تلمیحات سے پُر ہیں۔

نمونہ کے طور پر اور طوالت سے بچنے کے لیے حضرت علامہ کے صرف دو شعر ملاحظہ فرمائیں جن میں قرآن حکیم کی تلمیح اور قرآنی آیت کا جزو استعمال ہوا ہے۔

اقبال فرماتے ہیں:

کھل گئے یاجوج ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

اس شعر میں فعل مضارع ﴿يَنْسِلُوْنَ﴾ اور یاجوج ماجوج سورۃ الانبیاء کی اس آیت میں وارد ہوئے ہیں: ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾ ''یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر اونچی جگہ سے نکل پڑیں گے۔'' (الانبیاء: 96)

علامہ اقبال نے یاجوج ماجوج سے اشتراکی اور سرمایہ دار ملکوں کی جنگ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ دونوں لشکر پھیلتے جارہے ہیں اور ہر فریق اپنی مکروہ سازشوں سے اپنے نظریات کی اشاعت اور ترویج میں لگا ہوا ہے۔ یاد رہے کہ اس شعر میں مذکور یاجوج ماجوج کی یہی تفسیر نہیں ہے جو اقبال اس شعر میں لے رہے ہیں بلکہ اس کی اپنی ایک تفسیر ہے جو کہ کتب تفاسیر میں مذکور ہے، جیسا کہ حضرت علامہ نے سید سلیمان ندوی سے اپنے ایک خط میں گزارش کی تھی کہ اس پر کوئی محققانہ مضمون لکھ دیں۔

اسی طرح اقبال مسلمان کو توحید پر قائم رہنے کے لیے یاددہانی کراتے ہیں:

آہ! اے مرد مسلمان تجھے کیا یاد نہیں
حرف لا تدع مع اللہ الٰھا آخر!

لا تدع مع اللہ الٰھا آخر دراصل سورۃ القصص کی آیت 88 میں ہے یعنی سوائے اللہ کے کسی اور کو خدا نہ ٹھہرا۔

یاد رہے کہ یہ وہی اقبال ہیں جن کے بارے میں ہمارے سیاسی زعماء اور جدید دانشور کہتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں کہ ہمیں علامہ اقبال اور قائداعظم کے ارشادات اور فرمودات کی روشنی میں پاکستان کی ترقی کی پالیسی طے کرنی

چاہیے لیکن ساتھ ہی ہم پاکستان میں اس عربی زبان کی ترویج کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جس نے اقبال کی شخصیت کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم عربی زبان کو اپنے تعلیمی نظام میں ایک جائز مقام دیں، تاکہ ہماری نئی نسل اپنی شناخت یاد رکھ سکے۔

آج ہماری نئی نسل اگر کسی قدر انگریزی زبان بولنے اور سمجھنے کے قابل ہو چکی ہے تو عربی زبان میں کیونکر نہیں ہو سکتی تھی حالانکہ عربی زبان ایک آسان زبان ہے اور اس کے قواعد انتہائی سادہ اور سہل ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جتنی توجہ ہم نے انگریزی زبان پر دی ہے، اس سے بھی کم توجہ اگر ہم عربی زبان پر دیتے تو انگریزی سے زیادہ ہم اس میں مہارت رکھتے، جس سے ہم اسلام اور نظریۂ پاکستان کے قریب ہوتے۔

عربی زبان ہمارے لیے کوئی اجنبی زبان نہیں ہے بلکہ یہ قرآن و حدیث، اسلامی فقہ اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی زبان ہے۔ اس کی قدر و قیمت کے پیش نظر ہی سٹیٹ بنک کے پہلے گورنر زاہد حسین اور نے اسے سرکاری زبان اختیار کرنے کی تجویز دی اور یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اقبال بھی اگر قیام پاکستان کے وقت زندہ ہوتے تو وہ بھی عربی زبان کو سرکاری زبان کے طور پر پسند فرماتے۔ جیسا کہ قائداعظم نے 1948ء میں فرمایا:

"اگرچہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہے، لیکن مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ عربی زبان سیکھیں، یہاں تک کہ تمام مسلمان مستقبل میں اس کے بولنے اور سمجھنے پر قادر ہو سکیں۔"

آپ جانتے ہیں کہ ہم کئی اندرونی مسائل سے دوچار ہیں۔ ان مسائل میں سے ایک لسانی مسئلہ ہے، اور اگر ہم قیام پاکستان کے آغاز سے ہی عربی زبان کو سرکاری زبان کے طور پر اختیار کر لیتے تو ہم کئی بڑے بڑے مسائل سے محفوظ ہو جاتے۔ اب بھی اگر ہم بہت کچھ کھونے کے بعد اسے انگریزی زبان کے متوازی قرار دیتے ہوئے اس کو لازمی قرار دے دیں تو ہم صحیح منزل کی طرف گامزن ہو جائیں گے۔ اور ہمارے طلبہ کی فکر میں بلندی آئے گی، جس سے وہ اقبال کی طرز پر سوچنا شروع کر دیں گے، کیونکہ اقبال کی سوچ میں نکھار قرآن مجید سے پیدا ہوا تھا، جس کی زبان عربی ہے اور اقبالؒ اس سے پوری طرح آشنا تھے۔

عافیت

ہارون الرشید

کبھی کبھی رک کر غور کرنے اور اپنی راہ بدل لینے میں عافیت ہوتی ہے۔ کبھی کبھی اسی میں نجات ہوتی ہے کہ وقت باقی ہے، ابھی وقت باقی ہے۔

آخری تجزیے میں زندگی بعض اعتبار سے سادہ بھی بہت ہوتی ہے۔ مثلاً اعمال کا نتیجہ وہی ہوگا جو نیت ہوگی۔ آدمی وہی کاٹے گا جو اس نے بویا تھا۔ منتخب حکومت المناک حد تک نامقبول ہو چکی اور ظاہر ہے کہ اس تباہی کے عوامل ہیں۔ سیاسی حرکیات کا ادنیٰ سا ادراک رکھنے والا کوئی بھی شخص انگلیوں پر، ان عوامل کو شمار کر سکتا ہے۔ ایک ایک ناقص پالیسی، ایک ایک غلطی کے اثرات دیکھے، گنے اور محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ کس چیز نے، کس پر کون سا زخم لگایا۔ یہ بھی نہیں تو گلیوں، بازاروں، کھیتوں اور کھلیانوں میں زندگی بے حجاب پھیلی ہے۔ اس سے پوچھا جا سکتا ہے کہ کس نے اس کے چہرے کی رونق اور قلب کی امید چھین لی ہے۔ خلق خدا سے کوئی سوال کرنے والا ہی نہیں ورنہ وہ تو اظہار کو بیتاب ہے۔

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے
اِک ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

مشکل تو یہ ہے کہ حکمرانی میں خود فریبی ہمیشہ ہم رکاب ہوتی ہے کہ حکمرانوں کو اقتدار سے محبت بہت ہوتی ہے اور اس کے چھن جانے کا خوف بہت۔ بنی نوع انسان کے عظیم ترین مغالطوں میں سے ایک یہ ہے کہ بادشاہ لوگ طاقتور ہوتے ہیں، نہیں ہوتے، خوف کی دیمک انہیں چاٹتی رہتی ہے۔ سب کچھ ان کا داؤ پہ لگا ہوتا ہے۔ ہمیشہ انہیں ذہنی سہاروں کی ضرورت ہوتی ہے، تائید کی اور تحسین کی۔ تنقید سے وہ پریشان بہت ہوتے ہیں۔ لاڈلے بچوں جیسے وہ ہوا کرتے ہیں کہ سہارا نہ پائیں تو بسورنے لگتے ہیں اور شادکام ہوں تو منہ چڑاتے ہیں، ضد دکھاتے ہیں۔ عدم تحفظ کا احساس انہیں خوفزدہ اور پھر مشتعل کرتا ہے۔ پھر وہ سازشوں کے افسانے تراشتے ہیں یا بے رحمی پہ اتر آتے ہیں، تاہم طاقت کے نشے میں ایک کمزوری تو ہمیشہ ہوتی ہے۔ اس کا شکار اپنا جائزہ کم ہی لے سکتا ہے۔ ناکامی کے اسباب وہ ہمیشہ خارج میں تلاش کرتا ہے۔ اپنے گریبان میں جھانکنے کی توفیق اسے کم ہوتی ہے۔ حکمرانوں کا سب سے بڑا المیہ شاید یہ ہے کہ انہیں ایسے حاشیہ نشین اور ہمدرد مل جاتے ہیں، جو ان کے مکروہ ترین عمل کی حسین ترین توجیہات کر سکتے ہیں۔ اقتدار کے نواح میں بھی ایک نشہ ہوتا ہے۔ حاشیہ نشینوں کو دُردِ تہِ جام بھی بہت ہوتی ہے۔ اقتدار ایک عجیب شجر ہے، اس کے پھل اور سائے کی تاثیر ایک جیسی ہے۔ حکمران تو کبھی کڑوی بات سن ہی لیتے ہیں اور گوارا بھی کر لیتے ہیں مگر مصاحب نہیں کہ ان کی بنیاد بہت کمزور ہوتی ہے۔ ہمہ وقت وہ دور ہو جانے کے اندیشے میں مبتلا رہتے ہیں۔ رسیاں ہمیشہ انہیں سانپ نظر آتی ہیں اور ان کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ کہیں نہ کہیں سے وہ رسی ڈھونڈ ہی نکالتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح اسے سانپ بنا ہی لیتے ہیں۔ استثناء کم ہوتا ہے اور جب ہوتا ہے تو نتیجہ پیدا کرتا ہے، بعض اوقات بہت غیر معمولی، بہت خوش کن۔ خوش قسمت حکمران وہ ہے جو کھرے مشیر کی بات سنے۔ سنے اور اس پر غور کرے اور عمل کرے۔ تاریخ مثالوں سے بھری پڑی ہے مگر تاریخ پر غور کرنے کی فرصت کسے؟ عباسی خلیفہ ہارون الرشید فضیل بن عیاضؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ پریشان تھے۔ پوچھا: اس ادبار میں ان پریشانیوں سے کیونکر عہدہ برآ ہوں گے۔ درویش کا جواب یہ تھا: اگر آپ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے احوال اور طرزِ فکر پر غور کریں گے تو اپنی راہ کے سارے کانٹے چن لیں گے۔ ہارون الرشید نہ چن سکا بلکہ اس نے بکھیرے، بہت۔ حتیٰ کہ سرزمینِ خراسان نے اس پر موت کا عبرتناک سیاہ ہاتھ اترتے دیکھا۔

ساڑھے سات سو برس ہوئے ہیں جب دہلی کی تاریک رات کے تیسرے پہر متلون مزاج محمد بن تغلق کے لیے دہلی کے کوتوال علاء الملک کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ تاریخ کے اسرار و رموز سے آشنا، اس کم گو اور سیر چشم

آدمی کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ اسے دربار کا سب سے اہم وزیر بننا تھا لیکن موروثی موٹاپے کے طفیل وہ زیادہ حرکت کرنے کے قابل نہ تھا۔ بادشاہ نے سوال کیا کہ گردنوں کی کئی فصلیں کاٹی جا چکیں، اس کے باوجود بغاوتیں تمام کیوں نہیں ہوتیں؟ کچھ دیر سر جھکائے علاء الملک سوچتا رہا کہ مغلوب الغضب بادشاہ کے لیے موزوں الفاظ درکار ہوتے ہیں۔ پھر اس نے یہ کہا: امن باغیوں کو برباد کرنے سے نہیں بلکہ اس وقت قائم ہوتا ہے جب قوانین واضح ہوں اور ان پر عملدرآمد کے لیے وزراء اور حکام کی ایک موزوں جماعت تشکیل دے دی جائے۔ بادشاہ برہم ہوا اور اس نے کہا: ہمیشہ تم جمشید کے زمانے کی بات کرتے ہو، ہمارے لوگ فتنہ پرور ہیں اور فتنہ پروروں کے لیے قوانین کیسے؟ قتل وغارت کا سلسلہ اس نے جاری رکھا اور بغاوتیں بھی جاری رہیں حتیٰ کہ 1254ء کی وہ سویر آگئی جب اسے ٹھٹھہ کی خاک پر دم توڑنا تھا...... کیا دمِ مرگ اسے دانا علاء الملک کی یاد آئی ہوگی؟

محمد علی جناح کے بعد تقریباً تمام پاکستانی حکمران کمزور ثابت ہوئے۔ رسیوں کو سانپ سمجھنے والے۔ انہیں خود پر اعتماد نہ تھا۔ رعایا پر کبھی انہوں نے بھروسہ نہ کیا اور رعایا کو کبھی ان سے غرض نہ تھی کہ پشت پناہ تو خوش دل لوگ ہوا کرتے ہیں۔ ہمیں تو گمان میں خوف پال کر سایوں سے ڈرنے والے ہی نصیب ہوئے جو اپنی قوم کی توانائی غارت کرتے رہے حتیٰ کہ تاریخ میں عبرت کی مثال ہو گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے حریفوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ 1970ء کے الیکشن میں اپنے لیے قربانیاں دینے والے عام آدمی کو نظر انداز کر کے 1977ء میں افسر شاہی کو عنان سونپی اور جاگیرداروں کو ٹکٹ دیئے۔ دھاندلی پر ردعمل ہوا اور طوفان اٹھا تو انہوں نے امریکہ کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ امریکہ نہیں، عوام کی اکثریت ان سے نالاں تھی۔ امریکہ نے تو صورتحال سے فائدہ اٹھایا کہ ایٹمی پروگرام پر وہ ناراض تھا۔ جنرل محمد ضیاء الحق پر بھی اسی بنا پر عتاب آیا کہ وہ امریکہ کی مرضی کے خلاف افغانستان پر حکمت یار اور ربانی پر مشتمل پاکستان نواز حکومت تشکیل دے کر تاریخ کا رخ موڑنے کے آرزومند تھے۔ کیسے وہ موڑ سکتے تھے۔ ان کے پاؤں تلے زمین ہی نہیں تھی۔ نجیب وزیراعظم محمد خان جونیجو کو انہوں نے برطرف کر دیا تھا اور مقبول سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کو انتخابی عمل سے باہر رکھا تھا۔

آصف علی زرداری اور ان کے حلیف ایک تاریخی غلطی کے مرتکب ہیں جو انہیں تاریخ کے لیے عبرت بنا سکتی ہے مگر یہ کہ وہ اپنی اصلاح کریں۔ آئین کے نفاذ اور اس نفاذ کی خیر و برکت سے فیض یاب ہونے کی بجائے، پوری قوم جس پر متفق ہے، وہ چیف جسٹس کی راہ روکنے پر تلے ہیں۔ چیف جسٹس افتخار چودھری اگر ایک شخص یا گروہ ہوتے تو شاید انہیں روک لیا جاتا مگر وہ تو ایک اصول اور علامت ہیں۔ خلقِ خدا کی خدمت کے لیے خود کو انہوں نے خطرے میں ڈالا اور شجاعت سے ایثار کی ایسی مثال قائم کی کہ ہمیشہ باقی رہنے والی علامت ہو گئے۔ جسٹس افتخار محمد چودھری جیسے لوگوں کو کوئی تباہ نہیں کر سکتا۔ صرف وہ خود کر سکتے ہیں، اگر وہ اپنے محور سے ہٹ جائیں، اپنے مقصد کو ترک کر دیں۔ لوگ غور کیوں نہیں کرتے کہ وکیلوں کی کیسی عدیم النظیر تحریک ان کی تائید میں اٹھی ہے اور حسنِ کردار کی کیسی دمکتی ہوئی مثالیں کالے کوٹوں والوں نے قائم کر دی ہیں۔ بے شک زرداری صاحب منتخب ہیں اور بے شک اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر حکومت کرنے کا انہیں حق ہے مگر آئین کی حدود کے اندر، اور زرداری صاحب آئین کی حدود کے اندر نہیں ہیں۔ صدر زرداری جب یہ کہتے ہیں کہ چیف جسٹس افتخار محمد چودھری سینیٹر بن جائیں تو یہ ایسا ہے جیسے 1970ء کے الیکشن میں واضح اکثریت حاصل کرنے والے شیخ مجیب الرحمٰن کو امریکہ میں سفیر بننے کی پیشکش کی جاتی۔ ہر آدمی کا ایک کام ہوتا ہے اور افتخار محمد چودھری کا کام انصاف کی ارزانی ہے، اقتدار کی آسائش نہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ قوانین کے نفاذ سے خوفزدہ لوگ حکومت کے پشت پناہ اور چیف جسٹس کے مخالف ہیں۔ مونس الٰہی اور ان کے بزرگ اس کے سوا کیا کریں جو وہ کر رہے ہیں۔ وہ شخص اس کے سوا کیا کرے جو زرداری شریف ملاقات میں دو کے ساتھ تیسرا تھا۔ چیف جسٹس معلوم نہیں کن تین لوگوں کو 3 نومبر کے سفاکانہ قدم کا ذمہ دار سمجھتے ہیں، لیکن تاریخ ایک دن واشگاف کرے گی کہ پاکستان کا سب سے بڑا پراپرٹی ڈیلر اس سازش کا سرغنہ تھا۔ بے دریغ اس نے سرمایہ لٹایا تھا۔

غلطیوں سے نہیں، انسان غلطیوں پر اصرار کرنے سے برباد ہوتے ہیں۔ وقت باقی ہے، ابھی وقت باقی ہے۔ اللہ آپ کو اصلاح کی توفیق دے۔ اصرار نہ کیجئے، اس قدر اصرار نہ کیجئے۔ کبھی کبھی رک کر غور کرنے ہی میں عافیت ہوتی ہے، نجات ہوتی ہے۔ (بشکریہ روزنامہ "جنگ")

> **غلطیوں سے نہیں، انسان غلطیوں پر اصرار کرنے سے برباد ہوتے ہیں۔ اصرار نہ کیجئے، اس قدر اصرار نہ کیجئے۔ کبھی کبھی رک کر غور کرنے ہی میں عافیت ہوتی ہے، نجات ہوتی ہے**

❁❁❁❁❁

❁❁ضرورت رشتہ ❁❁

☆ قرآن وحدیث کی تعلیم سے آراستہ بہن، شرعی پردہ کی پابند، عمر 24 سال، تعلیم ایم اے اسلامیات کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0345-8411201

☆ لاہور میں مقیم فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 26 سال، تعلیم BS پری میڈ (امریکہ) چار سالہ اسلامی کورس، قد 5 فٹ 8 انچ، لاہور کے لیے تعلیم یافتہ برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 042-6306197

☆ لاہور میں مقیم کشمیری فیملی کو اپنی بیٹی، تعلیم ایم ایس سی ہسٹری، عمر 29 سال، مطلقہ کے لیے دینی شعور کا حامل مناسب رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: طیب میر، 0323-4652698

☆ لاہور میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم بی اے، خوبصورت، خوب سیرت، امور خانہ داری میں ماہر کے لیے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ، برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 042-5168819

0321-4351995

☆ یونیورسٹی لیکچرار بیٹی، عمر 29 سال، تعلیم ایم اے، پی ایچ ڈی کی طالبہ، خلع یافتہ، چار سالہ بچے کی ماں کے لیے 35 تا 38 سال عمر تک، دینی مزاج کے حامل، برسرروزگار، لاہور کے رہائشی لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0321-4699097

بقیہ: اداریہ گوروں کی نفرت کا اب بھی مرکز ہوگا۔ اس کا سیاسی بیک گراؤنڈ سرے سے موجود ہی نہیں۔ وہ ایک امیر آدمی بھی نہیں ہے۔ امریکہ کو اس وقت معاشی بحران کا سامنا ہے اور معاش کی کنجی یہودیوں کے مکمل طور پر قبضہ میں ہے۔ امریکہ کو معاشی بحران سے نکالنے کے لئے اُسے یہودیوں کی مدد اور تعاون کی ضرورت ہوگی، لہٰذا یہودیوں کے ہاتھوں استعمال ہونا اُس کی مجبوری ہوگی۔ یہودی اُمت مسلمہ سے خصوصاً ایٹمی پاکستان سے جو سلوک روا رکھنا چاہتے ہیں، اوباما کو یہودیوں کی دی گئی لائن کو فالو کرنا پڑے گا۔ کٹر اسرائیلی نژاد یہودی راہم عمانوائیل کو وائٹ ہاؤس کا چیف آف سٹاف مقرر کر کے اوباما نے اپنے سفر کا رخ ظاہر کر دیا ہے۔ اگرچہ یہ بات بھی اہم ہے کہ اوباما غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے اور غیر معمولی صلاحیتیں اپنا اظہار چاہتی ہیں۔ پھر یہ کہ اوباما کے نعرے change, we need نے زبردست عوامی حمایت حاصل کی ہے۔ لہٰذا اوباما کی غیر معمولی صلاحیتیں اور تبدیلی کی عوامی خواہش سے کوئی معجزہ رونما ہو سکتا ہے۔ البتہ ہمیں ایسے معجزے کی قطعی طور پر توقع نہیں بلکہ عین ممکن ہے کسی ایسی کوشش سے اوباما کسی حادثے سے دوچار ہو جائیں اور یہ حادثہ ایک بار پھر امریکہ میں کالے اور گورے کی جنگ کا باعث بنے۔ واللہ اعلم۔

پاکستانیوں کو یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ جو اپنا دوست نہیں اُس کا کوئی دوست نہیں۔ اوباما نے پاکستان کے بارے میں انتخابی مہم کے دوران جو بیان دیئے ہیں، اُن میں بہت تضاد ہے۔ وہ پاکستان پر براہ راست حملہ کی بات بھی کرتا ہے۔ پاکستان کی معاشی امداد بڑھانے کی حمایت بھی کرتا ہے۔ وہ بھارت اور پاکستان کے درمیان کشیدگی کے خاتمے کے لئے تنازعہ کشمیر کا فیصلہ بھی ناگزیر سمجھتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ آج دنیا میں انصاف میرٹ پر ممکن نہیں رہا، فریقین کو تولا جاتا ہے کہ اس کا وزن بھاری ہے۔ کمزور کا ساتھ دینے کا تصور ختم ہو چکا ہے۔ اگر اوباما کشمیر کے بارے میں ایسا موقف اختیار کرتا ہے جو بھارت کے مفادات کے خلاف ہو مثلاً کشمیر کی مکمل آزادی، تو یہ ہمارے لیے بھی ایک بڑا خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔ ایک آزاد کشمیر کی صورت میں امریکہ وہاں خود کود سکتا ہے، لہٰذا بات پھر لوٹ کر یہاں آئے گی کہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ہمیں خود کو مضبوط کرنا ہے۔ مگر افسوس ہم نے نظریہ پاکستان کو خیر باد کہہ کر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ ہم جوں جوں اس نظریہ کی عملی تنفیذ سے دور ہوتے جائیں گے، ذلت، نکبت اور خواری کی پلیٹ میں زیادہ سے زیادہ آتے جائیں گے۔ خدارا اس پر نگاہ نہ رکھیں کہ امریکہ میں کون آتا ہے، کون جاتا ہے۔ امت مسلمہ کے کسی دوست کے آنے کی قطعی طور پر کوئی توقع نہیں۔ بھلائی اور ترقی کی طرف ہمیں خود راستہ بنانا پڑے گا اور یہ وہی راستہ ہے جو صحیفہ آسمانی قرآن پاک نے اور ناطق قرآن رحمت للعالمین نے ہمیں دکھایا ہے۔ اسی پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے اندر وہ جذبہ پیدا کر سکیں گے جس کی وجہ سے ہمارے اسلاف نے اسلام کو سپر قوت بنایا اور دنیا میں عزت واحترام کا مقام پیدا کیا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا ... لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

بلوچستان کے زلزلہ زدگان کے لیے امدادی فنڈ کا قیام

گزشتہ ماہ بلوچستان کے بعض علاقوں میں شدید زلزلے کے باعث بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصان ہوا، اس پر ہر دردمند شہری مضطرب اور غمگین ہے۔ زلزلے سے متاثر ہونے والے اپنے تمام بھائیوں اور خاندانوں کی دل و جان سے مدد کرنا ہر پاکستانی مسلمان کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

اسی سلسلے میں 2005ء کی طرح اس بار بھی تنظیم اسلامی نے زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے امدادی فنڈ قائم کیا ہے۔

فنڈ میں موصولہ رقوم کو بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر متاثرین زلزلہ کو پہنچانے کے لیے ہر ممکن سعی کی جائے گی۔

المعلن ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ

23 نومبر 2008ء بروز اتوار نماز عصر تا 29 نومبر 2008ء بروز ہفتہ نماز ظہر تک

مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور میں ہفت روزہ

مبتدی، ملتزم تربیت گاہ

منعقد ہو رہی ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت رابطہ: 0333-4311226 042-6316638-6366638